نظام المدارس پاکستان کے نصاب کے عین مطابق

مقدمہ ابن صلاح

ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمٰن الشہرزوری

نخبۃ الفکر

ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی

مرتب

مفتی شہزاد احمد سجاد

پرنسپل جامعہ حسینیہ

مقدمہ ابن صلاح

ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمٰن الشہرزوری (ابن صلاح المتوفیٰ ۶۴۳ھ)

نخبۃ الفکر

ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی (۸۵۲ھ)

مقدمہ ابن صلاح و نخبۃ الفکر

مصنف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حافظ ابن صلاح،ابن حجر عسقلانی

مرتب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مفتی شہزاد احمد سجاد (پرنسپل جامعہ حسینیہ و ضلعی کوارڈینیٹر نظام المدارس پاکستان ضلع وزیر آباد)

ناشر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جامعہ حسینیہ، غوثیہ کالونی علی پور چٹھہ

0303-0626802
muftishahzad9@gmail.com

تعارفِ کتاب

یہ کتاب اصل میں دو کتابوں "مقدمۃ ابن صلاح" اور "نخبۃ الفکر" کا مجموعہ ہے۔ ہم نے اسے نظام المدارس پاکستان کے درجہ سابعہ کے مطابق مرتب کیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں علم الحدیث کے میدان میں ایک مقام رکھتی ہیں۔

ہم نے ان کو انتہائی سہل اور سلیس انداز سے سوالاً جواباً مرتب کیا ہے جو اپنے قارئین خصوصاً طلبہ کیلئے ان شاء اللہ نہایت مفید ثابت ہوگی۔

اللہ کریم ہماری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ امین!

جامعہ حسینیہ، غوثیہ کالونی علی پور چٹھہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علم اصول حدیث کے متعلق چند بنیادی معلومات

سوال نمبر1۔ علم اصول حدیث کی تعریف، موضوع اور غایت بیان کریں۔

وہ اصول وضوابط یا جن کے ذریعے احادیث کے متن اور سند کو قبول یا مسترد کرنے کی قبول یا مسترد کرنے کی حیثیت سے احادیث کا متن اور سند اس کا موضوع ہے۔ فرامین رسول میں صحیح اور غیر صحیح کی چھان بین کرنے کا ملکہ حاصل ہوتا اس کی غرض وغایت ہے۔

سوال نمبر2۔ علم اصول حدیث کی اساس بیان کریں۔

علم اصول حدیث کے متعلقہ اساسی اصول اور بنیادی قواعد قرآن مجید اور سنت نبوی میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے: يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کسی قسم کی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اخبار در وایات کی چھان بین اور تحقیق ضروری ہے۔ اگر درست ہو گی تو قبول ہو گی ورنہ بصورت دیگر اسے مسترد کر دیا جائے گا۔

ارشاد نبوی ہے: نضر الله امرأ سمع منا شيئاً فبلغهُ كَمَا سَمِعَهُ فَرُب مبلغ اوعى من سامع اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ اور خوش وخرم رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی اور ہم سے سننے کے مطابق ہی اس نے اسے آگے پہنچایا۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں بات پہنچائی جاتی ہے پر سننے والوں کی نسبت زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی بات کو آگے نقل کرنے کی صورت میں نہایت حزم واحتیاط اور دقت نظر سے کام لینا چاہئے۔ صحابہ کرام کام یہ معمول تھا کہ احادیث کے قبول کرنے اور انہیں آگے دوسروں تک پہنچانے کے لئے مذکورہ بالا رہنما اصولوں پر سختی سے کاربند رہے۔

سوال نمبر3۔ علم اسناد کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی؟

علم اسناد کے بارے امام ابن سیرین فرماتے ہیں: لم يكونوا يسألون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالكم فينظر إلى أهل السنة فيؤخذ حديثهم وينظر إلى أهل البدع فلا يؤخذ حديثهم علماء حدیث ابتداء سند کے متعلق کچھ احتضار نہیں کیا کرتے تھے مگر جب فتنوں نے

سر اٹھایا تو انہوں نے بغرض تحقیق یہ مطالبہ شروع کر دیا کہ اپنی روایت کے ناقلین کے متعلق بتاؤ کہ وہ کس پایہ کے ہیں۔ چنانچہ دیکھا جاتا کہ اگر ناقلین اہل سنت میں سے ہوتے تو ان کی بیان کر دو حدیث قبول کر لی جاتی اور اگر وہ اہل بدعت سے ہوتے تو ان کی روایت کو رد کر دیا جاتا۔

سوال نمبر4۔ علم جرح وتعدیل سے کیا مراد ہے؟ اور اس کا آغاز کب ہوا؟

علم جرح وتعدیل سے مراد ہے کہ راویوں کے احوال بیان کرنا، اچھے اوصاف کو تعدیل اور منفی اوصاف کو علم جرح کہا جاتا ہے اور جب راویوں پر بحث کا آغاز ہوا نیز اسانید کے متصل یا منقطع ہونے کی طرف توجہ دی جانے لگی۔ تو یہ علم معرض وجود میں آیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بحث وتحقیق کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور نقل حدیث کے متعلق ضروری قواعد وضوابط سامنے آنے لگے پھر ان سینہ بند علوم کو جزوی طور پر متفرق انداز میں قلم بند کیا جانے لگا.

سوال نمبر5۔ محدث ابن الصلاح رحمہ اللہ کے حالات زندگی بیان کریں۔

نام ونسب: ابو عمرو تقی الدین عثمان بن عبد الرحمن بن عثمان بن موسی بن ابی النصر الکردي الشهرزوری الشرخانی الشافعی۔ ان کے والد کا لقب صلاح الدین تھا اس لئے ابن الصلاح کے نام سے مشہور ہوئے۔

پیدائش: آپ کی پیدائش آپ شہر زور کے قریب اربل شمالی عراق کے ایک گاؤں "شر خان میں ۵۷۷ ھجری کو پیدا ہوئے۔ اپنے گاؤں کی وجہ سے شہر خانی کہلائے لیکن زیادہ مشہور نسبت شہر زوری ہے۔

والد گرامی: آپ کے والد گرامی بڑے جلیل القدر عالم اور نکتہ رس فقیہ تھے اسلئے ان اصلاح نے ابتدائی طور پر اپنے والد سے کسب فیض کیا،

حصول علم: علم فقہ میں ایسا رسوخ حاصل کر لیا کہ کم عمری میں ہی فقہ الشافعی کی کتاب "المهذب" کا درس دینے لگے، پھر ان کے والد نے انہیں موصل بھیج دیا جہاں آپ نے فقہ، حدیث، تفسیر اور لغت جیسے علوم میں مہارت تامہ حاصل کی۔ پھر آپ نے تحصیل علم کے لئے بلاد اسلامیہ بغداد، خراسان اور شام وغیرہ کا سفر کیا اور متعدد شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے علم حدیث میں رسوخ پیدا کیا

شیوخ: آپ کے شیوخ میں عبید اللہ بن السمین عبد المحسن ابن الطوسی، ابو احمد بن سکینہ ابو الفضل بن المعزم منصور مؤید، جمال الدین عبد الصمد شیخ موفق الدین مقدسی، فخر الدین بن عساکر اور ابو محمد بن علوان جیسے اساطین فن شامل ہیں۔

تدریس: تحصیل علم سے فراغت کے بعد مدرسہ ناصریہ میں درس دینا شروع کیا آپ وہاں مدت دراز تک درس و تدریس میں مصروف رہے بے شمار لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا پھر دمشق کے دار الحدیث میں تدریسی خدمات سر انجام دینے لگے۔ اس کے بعد زمرد خاتون نت ایوب کے مدرسہ میں تدریس حدیث پر مامور ہوئے اور تشنگان علوم کو فیض یاب کیا۔ آپ بڑے مشہور محدث تھے متن حدیث پر گہری نظر رکھتے تھے۔

القاب: حتی کہ اہل علم میں جب لفظ "شیخ" بولا جاتا تو اس سے آپ ہی مراد ہوتے۔ انہیں علم رجال میں بھی کافی مہارت تھی حدیث کے علاوہ فن تفسیر، فقہ اور لغت میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی۔ علامہ سخاوی نے اپنی کتاب "فتح المغیث میں آپ کو بے شمار القاب سے نوازا ہے۔ آپ جس طرح علم و فن میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے تقویٰ اور پرہیز گاری میں بھی اپنی نظیر خود آپ تھے۔ اپنی قوم کی اصلاح، وعظ وارشاد لور دیگر اشغال خیر میں ہمیشہ سر گرداں رہتے۔

وفات: آپ ۶۳۶ ہجری علی الصبح فوت ہوئے ظہر کے بعد آپکی نماز جنازہ پڑھی گئی اور باب النصر سے باہر مقدیر صوفیہ میں دفن ہوئے۔

تصانیف: آپ نے مختلف علوم میں کتابیں تصنیف کیں اہم تصانیف حسب ذیل ہیں:

- طبقات الفقهاء الشافعيه
- فوائد الرحلة
- ادب المفتي والمستفتي
- شرح الوسيط
- الفتاوى
- صلة الناسك في صفة المناسك
- شرح صحيح مسلم الامالي
- المؤتلف والمختلف
- علوم الحديث جو مقدمہ ابن اصلاح کے نام سے مشہور ہے۔

سوال نمبر6۔ مقدمہ ابن صلاح کی اہمیت وافادیت بیان کریں۔

حافظ ابن الصلاح کی یہ تصنیف بڑی جلیل القدر اور عظیم الشان ہے۔ مصطلحات حدیث کے فن میں یہ کتاب جملہ کتب سے فائق اور

اعلیٰ درجہ کی حامل ہے، مصنف نے اس میں اصول حدیث کی مختلف مباحث کو جمع کر دیا ہے جو پہلے مختلف انداز میں متفرق طور پر بکھری ہوئی تھیں۔ علامہ موصوف نے اسے اپنی عمر کے آخری حصہ میں تصنیف کیا جبکہ آپ کو فنِ تدریس میں کافی تجربہ حاصل ہو چکا تھا اور علم و فن میں پختگی آچکی تھی۔

علوم حدیث پر مشتمل یہ کتاب اگرچہ علمی فوائد اور فنی نکات سے بھرپور ہے تاہم مناسب انداز میں مرتب شدہ نہیں ہے۔ کیونکہ امام موصوف نے اسے اپنے شاگردوں کو تھوڑا تھوڑا کر کے املاء کروالیا تھا، بعض مباحث میں بہت طوالت اور تکرار ہے جیسا کہ "**معرفة كيفية سماع الحديث وتحمله وصفة ضبطه**" میں اتنا طول دیا ہے کہ ۴۶ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اسکے باوجود بعد میں آنے والے ائمہ کرام اور علماء عظام اس پر اعتماد کرتے آئے ہیں بہت سے علماء فن نے اس کا اختصار لکھا ہے جبکہ علم اسناد کی ابتداء میں سے امتیازات و خصوصیات کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ موصوف نے اس کتاب تین باتوں کا خاص خیال رکھا ہے:

۱۔ اس میں متقدمین کی نصوص اور عبارات ذکر کر کے ان سے علوم حدیث کے اصول وضوابط کا استنباط کیا ہے۔

۲۔ پہلے سے جو تعریفات چلی آرہی تھیں ان کو مہذب کر کے انہیں جامع مانع بنایا ہے اور کچھ تعریفات اپنی طرف سے وضع کی ہیں جو پہلے سے موجود نہ تھیں۔

۳۔ علماء متقدمین کی عبارات پر اٹھنے والے اعتراضات پر تنبیہ کی ہے اور ان کی طرف سے جوابات بھی تحریر کئے ہیں۔ اپنی تحقیق اور اجتہاد سے علماء سابقین کے اقوال پر مناسب انداز میں تعاقب بھی کیا ہے۔ چنانچہ شاید ہی کوئی صفحہ ایسا ہو جہاں "قلت" سے اپنے مؤقف کو بیان نہ کیا ہو۔ اس کے باوجود حزم واحتیاط کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ چنانچہ کسی اہم بحث کے اختتام پر "واللہ اعلم" کا لفظ ضرور لاتے ہیں۔ الغرض علوم حدیث میں یہ کتاب ایک بہترین تصنیف ہے، اسکی طرف علماء اصول نے توجہ دی

النوع الاول معرفة الصحيح من الحديث

سوال نمبر7: صحیح حدیث کی تعریف کریں نیز بتائیں کہ هذا حديث صحيح اور هذا حديث غير صحيح کا کیا مطلب ہے۔؟

صحیح حدیث میں پانچ شروط کا پایا جانا ضروری ہے جس میں تین وجودی ہیں اور دو عدمی ہیں:

وجودی شرائط

۱۔ اتصال السند: اس کا مطلب یہ ہے کہ راوی نے اپنے سے اوپر والے راوی سے براہ راست سنا ہو

۲۔ عدل الرواۃ: اس سے مراد یہ ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی عادل ہوں، ان میں برہ است سنا ہو اور یہ سلسلہ آخر سند تک قائم رہے۔ اخلاق اور مروت کے لحاظ سے کوئی خرابی نہ ہو۔

۳۔ ضبط الرواۃ: یہ ضبط دو طرح کا ہوتا ہے: **ضبط الصدر:** یعنی سینے میں جو چیز محفوظ ہو اس میں کوئی کمی بیشی نہ آئے نیز بیان کرتے وقت اسے پوری طرح ادا کر دیا جائے۔ **ضبط النقل:** لکھتے وقت صحیح طور پر لکھا جائے اس میں کسی قسم کی تحریف یا کمی بیشی کو دخل نہ ہو۔

عدمی شرائط

۴۔ عدم الشذوذ: اس کا مطلب یہ ہے کہ راوی جب بیان کرے تو اپنے جیسے یا اپنے سے ثقہ راویوں کی مخالفت نہ کرے۔

۵۔ عدم العلۃ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں کوئی پوشیدہ کمزوری نہ پائی جائے۔

ان پانچ شرائط کی موجودگی میں کسی بھی حدیث پر صحیح ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ اور اس تعریف مرسل، منقطع، معضل اور شاذ سے احتراز ہو گیا۔

هٰذَا حَدِيث صحيح کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں صحت کی تمام شرائط پائی جاتی ہیں۔ اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ

حقیقت میں یہ روایت صحیح ہے کیونکہ ثقہ راوی خواہ کتنے ہی پختہ کیوں نہ ہوں حیثیت انسان غلطی کا امکان باقی رہتا ہے۔

ھذا حدیث غیر صحیح کا مطلب یہ ہے کہ اس روایت میں صحت کی شرائط نہیں پائی جاتیں اس سے یہ مقصود ہر گز نہیں ہے کہ در حقیقت وہ روایت صحیح نہیں کیوں کہ زیادہ غلطیاں کرنے والے راوی کبھی کبھی صحیح بات بھی کہہ دیتے ہیں۔

سوال نمبر8۔ صحیح حدیث کی کتنی اقسام میں نیز "اصح الاسانید" کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

صحیح حدیث کی سات اقسام ہیں:

۱۔ جسے امام بخاری اور امام مسلم نے متفقہ طور پر بیان کیا ہو۔ ۲۔ جسے صرف امام بخاری نے بیان کیا ہو۔

۳۔ جسے صرف امام مسلم نے بیان کیا ہو۔ ۴۔ جسے امام بخاری اور امام مسلم نے تو بیان نہ کیا ہو لیکن ان دونوں کی شرائط کے مطابق ہو۔

۵۔ جو روایت صرف امام بخاری کی شرائط کے مطابق ہو۔

۶۔ جو روایت صرف امام مسلم کی شرائط کے مطابق ہو۔ ۷۔ امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط کے مطابق نہ ہو البتہ صحیح کی تمام شرائط اس میں پائی جاتی ہوں۔

اصح الاسانید کا مطلب صحیح ترین سند ہے کسی حدیث کی سند کے متعلق ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ صحیح ترین ہے کیونکہ صحیح کی کئی ایک اقسام ہیں جو صحت کے لحاظ سے مختلف درجے رکھتی ہیں۔ کسی راویت میں کم درجہ کی شرائط صحیح پائی جاتی ہیں لہذا یہ فیصلہ مشکل ہے کہ ہم کسی سند کو اصح الاسانید کہہ سکیں۔

البتہ بعض محدثین نے چند روایات کے متعلق اصح الاسانید ہونے کا فیصلہ دیا ہے ان میں بعض یہ ہیں ۔

۱۔ اسحاق بن راہویہ کے نزدیک: زھری عن سالم عن عبد اللہ بن عمر۔ **۲۔ عمرو بن علی فلاس کے نزدیک:** محمد بن سیرین عن عبیدہ عن علی

۳۔ علی بن المدینی کے نزدیک: مالک عن نافع عن عبد اللہ بن عمر **۴۔ یحی بن معین کے نزدیک:** اعمش عن ابراھیم عن علقمہ عن عبد اللہ بن مسعود

۵۔ ابو بکر بن ابی شیبہ کے نزدیک: زھری عن علی بن الحسین عن ابیہ علی **۶۔ امام بخاری کے نزدیک:** الشافعي عن مالک عن نافع عن ابن عمر

سوال نمبر9۔ کتب حدیث میں صحیح ترین کتاب کونسی ہے؟

محدثین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حدیث کی کتابوں میں سے صحیح ترین کتاب کون سی ہے بعض محدثین نے امام بخاری کی کتاب کو کتب حدیث سے صحیح ترین کتاب قرار دیا ہے جب کہ بعض دوسرے محدثین امام مسلم کی کتاب کے صحیح ترین ہونے پر اصرار کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ حدیث کے موضوع پر سب سے پہلے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "مؤطا" لکھی ہے جس میں انہوں نے اس بات کا التزام نہیں کیا کہ تمام صحیح احادیث کو لایا جائے بلکہ اس میں مرسل، منقطع اور مقطوع روایات بھی شامل ہیں۔ البتہ امام بخاری سب سے پہلے محدث ہیں جنہوں نے اپنی کتاب میں اعلیٰ درجے کی صحیح احادیث جمع کرنے کا التزام کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر محدثین کا یہ مقولہ مشہور ہے "اصح کتاب بعد کتاب اللہ البخاری

سوال نمبر10۔ امام شافعی موطا امام مالک کو صحیح ترین کتاب کیوں مانتے ہیں؟

لیکن امام شافعی سے یہ بات منقول ہے کہ وہ امام مالک کی کتاب کو زیادہ درست کہتے ہیں جس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ انہوں نے یہ بات امام بخاری کے کتاب لکھنے سے پہلے کہی تھی اگر وہ امام بخاری کی کتاب کو دیکھ لیتے تو اپنا یہ فیصلہ "مؤطا" کی بجائے "الجامع الصحیح" کے بارے میں دیتے۔

سوال نمبر 11۔ امام حاکم کے استاد ابو علی حافظ نیشاپوری نے صحیح مسلم کے بارے کیا کہا؟ اور وہ مسلم صحیح ترین کتاب کیوں مانتے ہیں؟ مدلل جواب دیں۔

حافظ نیشاپوری کہتے ہیں: اس آسمان کے نیچے صحیح ترین کتاب امام مسلم کی صحیح مسلم ہے۔ حافظ نیشاپوری اور دیگر جن محدثین نے امام مسلم کی کتاب کو صحیح ترین کہا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ امام مسلم نے خطبہ کتاب کے بعد کوئی ایسی حدیث بیان نہیں کی جو منقطع یا موقوف ہو جب کہ امام بخاری نے تراجم ابواب میں ایسی روایات بیان کی ہیں جو مرفوع یا متصل نہیں ہیں البتہ متن کتاب میں کوئی ایسی روایت نہیں لائے جو ان کے معیار صحت کے مطابق نہ ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ امام مسلم کی کتاب ہر حیثیت سے امام بخاری کی کتاب پر فوقیت نہیں رکھتی۔ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمام کتب حدیث میں امام بخاری کی کتاب کو اعلیٰ مقام حاصل ہے اور وہ صحیح ترین احادیث کا مجموعہ ہے۔ واللہ اعلم

سوال نمبر 12۔ استخراج کی تعریف کرتے ہوئے کچھ مستخرجات کے اسماء بتائیں؟ نیز مستخرجات کے فوائد بتائیں؟

کسی کتاب میں بیان شدہ احادیث کو اپنی سند سے بیان کرنا استخراج کہلاتا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی دوسرا محدث احادیث بیان کرتے وقت اصل مصنف کے کسی استاد کے ساتھ اپنا سلسلہ سند ملا دیتا ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ ان بیان کردہ احادیث کو کم سے کم واسطوں سے نقل کرے۔ اگر وہ مصنف کی بیان کردہ سند کو سامنے رکھ کر حدیث نقل کرتا تو اس میں زیادہ واسطے آجاتے ان زیادہ واسطوں سے بچنے کے لئے استخراج کا طریقہ اپنایا جاتا ہے۔

کچھ محدیثین نے امام مسلم کی کتاب پر استخراج کیا ہے جیسا کہ محدث ابو عوانہ نے "مستخرج علی صحیح مسلم" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اسی طرح ابو بحر الاسماعیلی نے "مستخرج علی صحیح البخاری" تصنیف کی ہے بعض محدثین نے بخاری اور مسلم دونوں کتابوں میں بیان کردہ احادیث کو اپنی سند سے بیان کیا ہے جیسا کہ محدث ابو نعیم الاصفہانی نے المستخرج علی الصحیحین لکھی ہے۔

استخراج کے مندرجہ ذیل فوائد ہیں:

۱۔ علو اسناد: محدث کم واسطوں سے حدیث بیان کر کے عالی سند کا اعزاز حاصل کرتا ہے اس سند عالی کو محدثین کے ہاں بڑا مقام حاصل ہے۔ واقعات کی تکمیل صحیحین کی بیان کردہ روایات میں اضافے، تاور واقعات کی تکمیل کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔

۲۔ حل تناقض: تعارض کے وقت ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دینے کے لئے یہ استخراج کام آتا ہے۔

سوال نمبر 13۔ کیا امام بخاری و امام مسلم نے اپنی کتب میں تمام صحیح احادیث درج کی ہیں؟ اس بارے میں آئمہ کے اقوال درج کریں۔

امام بخاری و امام مسلم نے نہ تو اپنی کتابوں میں تمام صحیح احادیث کا اندراج کیا ہے اور نہ اس کا التزام کیا ہے۔

امام بخاری کہتے ہیں: میں نے اپنی اس کتاب میں صرف صحیح احادیث جمع کی ہیں اور طوالت کی وجہ سے بہت سی صحیح احادیث کو چھوڑ دیا ہے۔

امام مسلم کہتے ہیں: میں نے اپنے پاس ہر صحیح حدیث اس کتاب میں جمع نہیں کی، صرف وہ صحیح احادیث س کتاب میں جمع کی جن کی صحت پر محدثین کا اجماع ہے۔ ابو عبد اللہ اخرم کہتے ہیں کہ ایسا بہت کم ہے کہ کوئی صحیح حدیث ان کتابوں میں جمع ہونے سے رہ گئی ہو۔

اعتراض: جبکہ امام بخاری کے استاد امام حاکم کی مستدرک میں صحیح احادیث بکثرت پائی جاتی ہیں تو یہ کہنا کیونکر درست ہے کہ زیادہ تر صحیح روایات بخاری و مسلم میں جمع ہو چکی ہیں۔

جواب: حافظ ابن صلاح کہتے ہیں کہ مستدرک میں بہت سی ایسی روایات ہیں جو بے بنیاد ہیں اور ان کہ صحت پر کلام بھی کیا گیا ہے ۔ یہ اعتراض تب بنتا ہے جب مستدرک کی تمام روایت صحیح ہوتیں۔

سوال نمبر14۔امام بخاری کو کل کتنی احادیث یاد تھیں اور صحیح بخاری میں کتنی احادیث ہیں؟

امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دولاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں۔اور بخاری میں مکررات سمیت 7275 جبکہ مکررات کے بغیر 4000 روایات بخاری میں جمع ہیں۔یادرہے کہ احادیث کہ اتنابڑا مجموعہ تبھی یاد ہو سکتا ہے جب اس میں آثار صحابہ وتابعین کو بھی حدیث شمار کیا جائے۔

سوال نمبر15۔کیا صرف ان احادیث کو صحیح کہیں گے جو صحاح ستہ میں شامل ہیں؟

حدیث کے صحیح ہونے کے لیے صرف صحاح میں شامل ہونا ہی شرط نہیں بلکہ جو بھی حدیث صحیح کی شرائط پر پورا اترے وہ صحیح ہے۔ جیسا کہ صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، ابو عبد اللہ الحمیدی کی الجمع بین الصحیحن، ابو عوانہ اسفرائینی اور ابو بکر اسماعیلی کی کتابیں بھی صحیح احادیث کا مجموعہ ہیں۔

سوال نمبر16۔مستدرک کی تعریف کرتے ہوئے امام حاکم کی مستدرک کا تعارف لکھیے۔

مستدرک حدیث اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کسی مصنف کی شرائط کو ملحوظ رکھ ایسی روایات جمع کی جائیں جس کو مصنف جمع نہ کر سکے۔امام حاکم نے امام بخای و مسلم دونوں کی شرائط کو سامنے رکھ کر، یا ان میں سے کسی ایک کی شرائط کو سامنے رکھ کر ایسی روایات کو جمع کیا جو ان کتابوں میں جمع نہ ہو سکیں۔اور اس میں کچھ ایسی روایات بھی جمع ہیں جو بخاری و مسلم میں کسی کی شرط پر نہیں بلکہ امام حاکم کے اپنے اجتھاد پر ہے۔

سوال نمبر17۔جب امام بیھقی اپنی سنن کبیر میں یا امام بغوی اپنی شرح السنہ میں حدیث درج کرنے کے بعد کہتے ہیں" أخرجه البخاری ومسلم "تو اس کا کیا معنی ہوتا ہے؟

اس کا معنی ہوتا ہے کہ انہوں نے لفظوں میں کمی بیشی کے احتمال کے ساتھ نفس حدیث کو نقل کیا ہے۔

سوال نمبر18۔تعلیقات امام بخاری سے کیا مراد ہے؟ نیز مسلم و بخاری کی تعلیق کا کیا حکم ہے؟

حدیث معلق سے مراد ایسی حدیث جس کی سند کی ابتدا سے ایک یا زیادہ راوی خذف ہوں۔اور مسلم کی نسبت بخاری میں تعلیقات زیادہ ہیں۔ان کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ایسی معلقات جن کو روایت کرتے وقت امام بخاری نے صیغہ جزم کے ساتھ روایت کیا ہو۔جیسے کہ قال رسول اللہ کذا و کذا، قال ابن عباس کذا، قال مجاھد کذا، رَوٰی ابو ھریرۃ کذا ایسے الفاظ کے ساتھ مروی تعلیقات پر حدیث صحیح کا حکم لگایا جائے گا۔

۲۔ایسی معلقات جو صیغہ جزم کے ساتھ روایت نہ کی جائیں جیسے کہ رُوِیَ عَنْ رَسُوْلِ اللہِ کذا و کذا، رُوِیَ عن فلان کذا، وَفِی الْبَابِ عَنِ النَبِیِ ﷺ کذا و کذا۔تو ایسی حدیث پر صحیح کا حکم نہیں لگایا جائے گا کیونکہ ایسے الفاظ حدیث ضعیف میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

سوال نمبر19۔بخاری میں صحیح کی شرائط پر پورا نہ اترنے والی روایات کہاں پائی جاتی ہیں؟

صحیح بخاری میں ایسی روایات جو صحت کے معیار پر پورا نہیں اترتی صرف تراجم ابواب میں پائی جاتی ہیں جیسا کی امام بخاری کا قول (باب ما یُذکر فی الفخذ ویُرْوٰی عن ابن عباس و جرھد و محمد بن جحش عن النبی ﷺ اَلْفَخِذُ عَوْرَۃٌ) اسی لیے امام حمیدی نے اس حدیث کو اپنی جمع بین الصحیحین میں درج نہیں کیا اور جو متون میں ہیں سب صحیح ہیں۔

سوال نمبر20۔ حافظ ابو نصر وایلی کا بخاری کی روایات کی صحت کے بارے کونسا قول مشہور ہے؟

آپ نے کہا کہ تمام اہل علم فقہا کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کسی آدمی نے طلاق کے ساتھ قسم اٹھائی کہ کتاب بخاری میں جو احادیث رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں وہ سب کی سب نبی پاک ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہیں، تو یہ شخص حانث نہیں ہو گا اور اس کی بیوی بدستور اس کے نکاح میں رہے گی۔

سوال نمبر21۔ امام ابو عبد اللہ حمیدی کا بخاری کی روایات کی صحت کے بارے کونسا قول مشہور ہے؟

امام حمیدی اپنی کتاب **الجمع بین الصحیحین** میں کہتے ہیں ہم نے امام بخاری و امام مسلم کے علاوہ کسی کسی محدث کو نہیں پایا کہ جس نے یہ دعوی کیا ہو کہ میری کتاب میں موجود تمام روایات صحیح ہیں

سوال نمبر22۔ بخاری و مسلم میں موجود روایات کا حکم واضح کریں۔

کچھ محدثین کی رائے ہے کہ بخاری و مسلم موجود روایات فی نفسہ تو ظنی ہیں لیکن ان پر عمل کرنا اس لیے واجب ہے کہ امت کی طرف سے ان کو قبولیت کا درجہ مل چکا ہے۔ لیکن امام ابن الصلاح کی حتمی اور آخری رائے یہ ہے کہ بخاری و مسلم موجود راوایات قطعی طور پر صحیح ہیں اور اس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ امت کے اجماع پر قطعی طور پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے، اب ان کتابوں کی صحیح ہونے پر امت کا اجماع ہے لہذا ان کی راوایات بھی قطعی ہیں۔

سوال نمبر23۔ امام ابن صلاح کے نزدیک حدیث صحیح کی پہچان کیسے ہو گی؟

ابن صلاح کے نزدیک کسی حدیث کی صحت جانچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ صحیحین اور دیگر کتب معتبرہ کی ہی طرف رجوع کیا جائے۔

النوع الثانی معرفۃ الحسن من الحدیث

سوال نمبر24۔ محدثین کی تعریفات کا حوالہ دیتے ہوئے حدیث حسن کی جامع مانع تعریف کریں؟

علامہ خطابی کے نزدیک حسن کی تعریف

جس کے راوی مشہور ہوں اور اس کا مخرج معروف ہو" لیکن اس تعریف پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں حسن اور صحیح میں کوئی تمیز نہیں رہتی۔ کیونکہ صحیح روایت کے راوی بھی مشہور ہوتے ہیں اور اس کا مخرج بھی معروف ہوتا ہے۔

امام ترمذی کے نزدیک حسن کی تعریف

امام ترمذی کے نزدیک حسن وہ حدیث ہے کہ جس میں تین چیزیں پائی جاتی ہیں۔ ۱۔ اس کے سلسلہ اسناد میں کوئی راوی جھوٹ کے متعلق تہمت زدہ نہ ہو۔ ۲۔ وہ حدیث شاذ نہ ہو۔ ۳۔ وہ حدیث کئی ایک طرق سے مروی ہو۔

اس تعریف پر اعتراض کیا گیا ہے کہ بعض ایسی احادیث ہیں جنہیں امام ترمذی نے حسن کہا ہے لیکن ایک ہی طریق سے مروی ہیں مثلاً ایک حدیث بیان کرنے کے بعد امام ترمذی یوں بیان فرماتے ہیں: **هذا حديث حسن لا نعرفه إلا من هذا الوجه** یہ حدیث حسن ہے ہم اسے اس طریق کے علاوہ کسی اور طریق سے نہیں پہچانتے۔

محدث ابن الصلاح نے ان دونوں تعریفات کو ناقص قرار دے کر اپنی طرف سے اس کی دو اقسام بیان کی ہیں۔

ابن الصلاح کے نزدیک حسن کی تعریف

جس حدیث کی سند میں کوئی ایسا مستور راوی آجائے جس کی استعداد و لیاقت اور اہلیت ثابت نہ ہو البتہ وہ غفلت شعار، زیادہ غلطیاں کرنے والا اور احادیث کے متعلق جھوٹ بولنے میں تہمت زدہ نہ ہو اور وہ بایں طور پر مشہور ہو کہ اس کی تائید میں دیگر روایات موجود ہوں نیز

وہ روایت شاذ اور منکر بھی نہ ہو اس طرح کی روایت کو حسن کہا جاتا ہے۔

کسی روایت کے راوی صدق و امانت میں مشہور ہوں البتہ حافظہ اور پختگی میں صحیح روایت کے راویوں سے کم درجہ رکھتے ہوں اس طرح کی روایت اگر منفرد ہو تو اسے شاذ اور منکر بھی کہا جائے اس طرح ان صفات کی حامل روایت کو بھی حسن کہتے ہیں۔

محدث ابن اصلاح کی بیان کردہ دونوں اقسام پر بھی اعتراض کی گنجائش ہے تاہم حسن کی جامع مانع تعریف وہ ہے جو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے

حافظ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک حسن کی تعریف:

اس میں صحیح کی تمام صفات پائی جائیں البتہ اس کے راوی حفظ وضبط میں صحیح کے رواۃ سے کم درجہ رکھتے ہوں۔

البتہ کثرت طرق سے یہ کمی بھی دور ہو جاتی ہے یعنی حسن کی تعریف میں یہ بات شامل ہے کہ وہ حدیث کئی طرق سے مروی ہو اس طرح اگر اس حدیث میں کوئی کمی ہو گی تو کثرت طرق کی بناء پر دور ہو جائے گی۔

سوال نمبر25۔ بعض ضعیف روایات کئی ایک طرق سے مروی ہونے کے باوجود بھی ضعیف رہتی ہیں ایسا کیوں ہوتا ہے۔؟

ضعیف حدیث میں جو کمزوری پائی جاتی ہے اس کی کئی ایک اقسام ہیں بعض کمزوریاں ایسی ہوتی ہیں جو کثرت طرق سے دور ہو جاتی ہیں اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن کی کثرت طرق سے تلافی نہیں ہو سکتی مثلاً ایک حدیث اس لئے ضعیف ہے کہ اس کے بیان کرنے والے کے حافظہ میں کچھ کمی پائی جاتی ہے۔ تو ایسی روایت کا ضعف تعدد طرق کی وجہ سے ختم ہو جاتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ صداقت، دیانت اور امانت میں کوئی کمی نہ رکھے۔ اس طرح کی روایت کو جب ہم کسی اور طریق سے پاتے ہیں تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ پہلی روایت کے بیان کرنے والے کی بات صحیح ہے اور اس کے حافظہ نے اس سلسلہ میں کوئی خیانت نہیں کی ہے۔

اسی طرح ہمارے پاس ایک مرسل روایت پہنچتی ہے جسے کسی بڑے امام نے بیان کیا ہے اس طرح کی روایت جب کسی اور طریق سے بیان ہو تو مرسل روایت بھی درجہ صحت کو پہنچ جاتی ہے۔

اس کے برعکس اگر کسی روایت میں بہت اونچے درجے کا ضعف ہو کہ اس میں کوئی ایسا راوی موجود ہے جو متہم بالکذب ہے یا وہ روایت کسی دوسری صحیح روایت کے خلاف ہے تو اس طرح کا ضعف کسی صورت میں زائل نہیں ہو گا خواہ وہ کتنے ہی طرق سے مروی ہو۔

سوال نمبر26۔ حدیث حسن، حسن کے درجے سے بلند ہو کر صحیح کے مرتبہ تک کب پہنچتی ہے؟

جب کوئی راوی حفظ میں کمتر درجہ کا ہے لیکن صدق میں اعلی درجے کا ہو تو جب اس کی یہی روایت کسی دوسری صحیح سند سے مروی ہو تو یہ روایت بھی حسن سے ترقی پا کر صحیح کے درجے پر چلی جاتی ہے اس کی مثال یہ حدیث ہے

عن محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ أن رسول اللہ قال لو لا أن اشق علی أمتی لأمرتھم بالسواك عند کل صلوۃ

اس روایت میں محمد بن عمرو حافظہ میں کمزور ہیں لیکن تقوی میں اعلی ہیں، قلت ضبط کی وجہ سے اس کو ضعیف سمجھا گیا اور تقوی کی وجہ سے اسے ثقہ سمجھا گیا،

اس وجہ سے اس حدیث کو حسن کے درجہ میں شمار کر لیا گیا۔ لیکن جب یہی سند صحیح درجہ میں چلی گئی تو اس کا ضعف ختم ہو گیا اور وہ درجہ حسن سے صحیح میں چلی گئی۔

سوال نمبر27۔ جب صحیح اور حسن دو الگ الگ حدیثیں ہیں تو بعض ائمہ کسی حدیث کے متعلق حسن صحیح کہہ دیتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟

سب سے پہلے جس محدث نے حسن روایات کو شہرت دی وہ امام ابو عیسیٰ الترمذی ہیں کیونکہ وہ بار بار اپنی کتاب میں یہ اصطلاح

استعمال کرتے ہیں ھذا حدیث حسن " یا "ھذا حدیث حسن صحیح " محدثین نے اس کے جوابات دیے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے

ا۔ ان الفاظ کا تعلق سند حدیث سے ہے یعنی اگر کوئی روایت دو سندوں سے مروی ہے جس کی ایک سند حسن اور دوسری صحیح ہے تو امام ترمذی اس کے متعلق حسن صحیح کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ لیکن یہ جواب اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے جب وہ روایت دو یا دو سے زائد سندوں سے مروی ہو۔ اگر وہ روایت ایک ہی سند سے مروی ہے تو پھر یہ جواب درست نہیں رہے گا۔

۲۔ حسن سے مراد اس کا لغوی معنی ہے یعنی اس حدیث میں کوئی ایسی بات بیان ہوئی ہے جس کی طرف دل کا جھکاؤ اور نفس کا میلان ہے۔ اس سے مراد اصطلاحی معنی نہیں ہے اس جواب پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ایسی موضوع روایت جس کے الفاظ بہترین ہوں اور اس میں کوئی اچھی بات بیان ہوا سے بھی حسن کہہ دینا چاہئے حالانکہ کوئی محدث بھی کسی موضوع روایت کو اس کے اچھے الفاظ اور بہترین معنی کے پیش نظر حسن نہیں کہتا۔

۳۔ اس جملہ میں "او" کا لفظ محذوف ہے یعنی راوی کے متعلق محدثین کا اختلاف ہے بعض اسے ثقہ کہتے ہیں اور کچھ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں اس بناء پر مذکورہ روایت حسن یا صحیح ہے۔

سوال نمبر 28۔ ھذا حدیث صحیح، ھذا حدیث صحیح الاسناد، ھذا حدیث حسن اور ھذا حدیث حسن الاسناد میں کیا فرق ہے؟

ھذا حدیث صحیح اور ھذا حدیث صحیح الاسناد میں بہت فرق ہے جیسا کہ ھذا حدیث حسن اور ھذا حدیث حسن الاسناد میں نمایاں فرق ہے کیونکہ ھذا حدیث صحیح اور ھذا حدیث حسن کا مطلب یہ ہے کہ حدیث مذکورہ سند اور متن کے لحاظ سے بالکل صحیح یا حسن ہے جبکہ صحیح الاسناد یا حسن الاسناد میں صرف صحت سند یا حسن سند کا بیان ہے متن کل بیان نہیں ہے۔

سوال نمبر 29۔ حسن روایات کے متعلق امام بغوی یا امام ابو داؤد کی اصطلاحات میں کیا فرق ہے۔؟

امام بغوی نے اپنی کتاب "المصابیح میں ایک خاص اصطلاح استعمال کی ہے کہ جو بخاری اور مسلم کی روایات ہیں انہیں "الصحاح" کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جو ان کے علاوہ ہیں انہیں الحسان" کہتے ہیں اس "الحسان" سے مراد حسن روایات نہیں ہیں بلکہ ان کی یہ خاص اصطلاح ہے۔

حسن روایات کو تلاش کرنے کے لئے امام ابو داؤد کی کتاب "السنن" ہے اس میں وہ فرماتے ہیں کہ "میں نے اس کتاب میں صحیح روایات ذکر کی ہیں یا صحیح کے قریب قریب اور اس سے ملتی جلتی روایات کو جمع کیا ہے۔" نیز وہ فرماتے ہیں کہ "میری اس کتاب میں جو سخت ضعیف روایت ہو گی اسے میں بیان کر دوں گا اور جس حدیث کے متعلق میں کچھ بیان نہ کروں وہ قابل حجت ہو گی۔"

محدث ابن الصلاح کے نزدیک اگر کوئی روایت ابو داؤد میں ایسی آجائے جو صحیحین میں نہیں ہے اور اس کی صحت پر کسی محدث نے کوئی اعتراض نہیں کیا ہے اور امام ابو داؤد نے بھی سکوت فرمایا ہے وہ روایت حسن درجہ کی ہو گی لیکن یہ قانون مطلق طور پر صحیح نہیں ہے بلکہ امام ابو داؤد بعض ایسی روایات پر بھی سکوت کر جاتے ہیں جو انتہا درجہ کی ضعیف ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابو داؤد کے نزدیک انسان کی اپنے رائے کے مقابلہ میں حدیث ضعیف زیادہ وزن رکھتی ہے۔ لہذا وہ کسی امام کا قول یا رائے بیان کرنے کی بجائے ضعیف حدیث پیش کر دیتے ہیں اور اس پر سکوت اختیار فرماتے ہیں۔

سوال نمبر 30۔ صحاح ستہ کے علاوہ حسن روایات کن کتابوں میں بکثرت پائی جاتی ہیں؟

مسند ابی داود طیالسی، مسند عبید اللہ بن موسی، مسند احمد بن حنبل، مسند اسحاق بن راھویہ، مسند عبد بن حمید، مسند دارمی، مسند ابو یعلی

الموصلی، مسند الحسن بن سفیان، مسند البزار ابی بکر۔ ان سب کتب کا مرتبہ صحیحین اور اور سنن اربعہ کے بعد کا ہے

سوال نمبر31۔ کچھ محدثین کا خیال ہے کہ حسن اور صحیح دونوں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اس کی وضاحت کریں۔

یہ صرف لفظی تسامح ہے، اگر کسی نے حسن کو صحیح شمار کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہیں کہ اس نے دونوں کو قابل حجت سمجھ کر یہ کہا ورنہ سب محدثین کے نزدیک حسن اور صحیح الگ الگ ہی قسم ہے۔ یہ ایسے ہی جیسے کچھ محدثین نے سنن نسائی اور ابوداود پر صحیح کا اطلاق کیا ہے لیکن بذات خود امام نسائی اور امام ابوداود اپنی کتب میں موجود روایات کو حسن اور صحیح میں تقسیم کرتے ہیں۔

النوع الثالث معرفة الضعيف من الحديث

سوال نمبر32۔ حدیث ضعیف تعریف کریں۔

ہر وہ حدیث جس میں نہ تو صحیح حدیث کی صفات جمع ہوں اور نہ ہی اس میں حسن حدیث کی مذکورہ بالا صفات جمع ہوں تو وہ حدیث ضعیف ہے۔

سوال نمبر33۔ حدیث ضعیف کی اقسام میں سے چند اقسام کا ذکر کریں

حدیث ضعیف کی چند اقسام مندرجہ ذیل ہیں ۱- موضوع ۲۔ مقلوب ۳- شاذ ۴- مرسل ۵۔ معلل ۶۔ مضطرب ۷۔ معضل ۸۔ منقطع۔ وغیرہ

النوع الرابع معرفة المسند

سوال نمبر34۔ حدیث مسند کی تعریف کریں۔؟

محدث ابن الصلاح نے مسند کی تعریف میں تین مختلف اقوال پیش کئے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ امام ابو بکر خطیب بغدادی کے نزدیک مسند کی تعریف یہ ہے کہ "جس روایت کی سند شروع سے آخر تک متصل ہو" اس تعریف میں وہ موقوف روایات اور تابعین کے اقوال بھی آجاتے ہیں جو متصل سند سے مروی ہوں اگرچہ استعمال کے لحاظ سے مسند کی تعریف میں وہی روایات آتی ہیں جو رسول ﷺ سے منقول ہوں۔

۲۔ حافظ ابو عمر بن عبد البر نے مسند کی تعریف یوں کی ہے کہ "جو روایت رسول ﷺ کی طرف منسوب ہو اسے مسند کہا جائے گا اس تعریف میں منقطع اور متصل دونوں قسم کی روایات شامل ہو جاتی ہیں حالانکہ کسی امام نے بھی ان روایات کو مسند میں شامل نہیں کیا ہے۔ **متصل کی مثال:** مالک عن نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ۔ **منقطع کی مثال:** مالک عن الزہری عن ابن عباس عن رسول اللہ، یہ اس لیے منقطع ہے کہ زہری نے ابن عباس سے سماعت نہیں کی

۳۔ امام حاکم نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ "مسند وہ روایت ہے جس کی سند متصل ہو اور وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو۔

النوع الخامس معرفة المتصل

سوال نمبر35۔ متصل کی تعریف کریں۔

اس کا دوسرا نام موصول بھی۔ ہے اس سے مراد وہ روایات ہیں جن میں ایک راوی اپنے سے اوپر والے سے براہ راست بیان کرے اور یہ سلسلہ شروع سند سے آخر سند تک قائم رہے۔ متصل روایات مرفوع بھی ہو سکتی ہیں اور موقوف پر بھی ان کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ متصل مرفوع کی مثال: مالک عن ابن شہاب عن سالم عن ابن عمر عن رسول اللہ ﷺ: متصل موقوف کی مثال: مالک عن نافع عن ابن عمر عن عمر

رضي الله عنهما واضح رہے کہ تابعین کے اقوال کو متصل نہیں کہا جائے گا ہاں اگر امام کے نام کے ساتھ انہیں مقید کر دیا جائے جیسے متصل إلی زھری "یا" متصل إلی مالک "تو جائز ہے۔

النوع السادس معرفة المرفوع

سوال نمبر36۔ مرفوع کی تعریف اور اس کی اقسام بیان کریں

مرفوع وہ روایت ہے جو خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو مرفوع کی اس تعریف میں متصل، منقطع اور مرسل روایات بھی شامل ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کا انتساب بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف ہوتا ہے۔

محدثین کے ایک گروہ کے نزدیک مرفوع اور مسند میں کوئی فرق نہیں ہے جبکہ اکثریت کا خیال ہے کہ منقطع اور متصل روایات تو مرفوع کی تعریف میں شامل ہیں لیکن مسند وہی روایت ہو گی جو متصل ہونے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو۔

البتہ خطیب بغدادی نے اس کی تعریف یوں کی ہے: مرفوع وہ روایت ہے کہ جس میں ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی بات یا آپ کا عمل نقل کرے۔" اس تعریف سے تابعین کی بیان کردہ مرسل روایات مرفوع کی تعریف سے خارج ہو جاتی ہیں

سوال نمبر37۔ اگر محدثین مرسل روایت کے مقابلے میں مرفوع روایت ذکر کریں تو اس سے مرفوع کی کونسی قسم مراد ہوتی ہے؟

جب محدثین مرفوع روایت کو مرسل کے مقابلہ میں بیان کریں تو اس سے مراد مرفوع متصل ہوتی ہے۔

سوال نمبر38۔ صحابہ کی کونسی بات یا کام حدیث مرفوع کی قسم میں شامل ہیں؟

مندرجہ ذیل اقسام بھی مرفوع کے حکم میں شامل ہیں: صحابی کا یہ کہنا کہ "کنا نفعل "یا" کنا نقول فی عهد رسول ﷺ أو فی حیاته "ہم یہ کام یا یہ بات رسول ﷺ کے عہد مبارک یا زندگی میں کیا کرتے تھے یا کہا کرتے تھے۔ کنا لا نری بأسا ورسول الله فینا ہم رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اس کام یا

بات کے متعلق کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ أمرنا یا نهینا یا من السنة کے الفاظ استعمال کئے جائیں یعنی ہمیں حکم دیا جاتا تھا یا ہمیں منع کیا جاتا تھا یا سنت سے ہے وغیرہ۔ تابعی کسی صحابی کے متعلق یہ الفاظ استعمال کرے یرفع الحدیث یا ینمیه یا یبلغه یا یرویه صحابہ کرام کے ایسے اقوال وافعال جن میں رائے اور قیاس کو دخل نہ ہو۔

سوال نمبر39۔ کیا صحابہ کرام کی تفسیری روایات حدیث مرفوع کے حکم میں شامل ہیں؟

سبب نزول کے متعلق صحابہ کرام کی تفسیری روایات گزشتہ امور کے متعلق روایات پیش گوئی کے طور پر بیان کی گئی روایات، یہ سب مرفوع کے حکم میں ہیں۔

النوع السابع معرفة الموقوف

سوال نمبر40۔ موقوف کی تعریف اور اس کی اقسام بیان کریں؟

صحابہ کرام کے اقوال وافعال کو موقوف روایات سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی دو اقسام ہیں

۱۔ موقوف متصل: صحابہ کرام کے ایسے اقوال وافعال جن کے سلسلہ سند میں صحابی تک کوئی راوی محذوف نہ ہو۔

۲۔ موقوف غیر متصل: صحابی تک کے سلسہ سند میں کوئی راوی محذوف ہو۔

سوال نمبر41۔ کیا تابعین کے اقوال وافعال پر موقوف کا اطلاق کب ہوتا ہے؟

صحابی کے علاوہ تابعین کے اقوال وافعال کو بھی بعض محدثین نے موقوف کے لفظ سے تعبیر کیا ہے لیکن اسے مقید کر دیتے ہیں جیسے وقفه فلان علی فلان

سوال نمبر42۔ فقہاء کے نزدیک موقوف کا دوسرا نام کیا ہے؟

بعض فقہاء کے نزدیک موقوف کا دوسرا نام اثر بھی ہے۔ فقہاء کہتے ہیں الخبر ما یروی عن النبی ﷺ والاثر ما یروی عن الصحابۃ

سوال نمبر43۔ محدثین کے ہاں یہ اصطلاح کہ اگر کوئی صحابی اگر کنا نفعل کذا یا کنا نقول کذا کہتا ہے تو کونسی حدیث ہے؟

محدثین کے ہاں یہ اصطلاح اگر کوئی صحابی کنا نفعل کذا یا کنا نقول کذا کہتا ہے اور اسے رسول ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرتا تو یہ بھی موقوف روایات میں شامل ہو گی۔

النوع الثامن معرفۃ المقطوع

سوال نمبر44۔ حدیث مقطوع کسے کہتے ہیں؟

وہ حدیث جس میں کسی صحابی کے قول، فعل یا تقریر کا ذکر ہو اسے حدیث مقطوع کہتے ہیں۔ بقول ابن صلاح مقطوع وہ حدیث ہے جو منقطع نہ ہو اور اس کی جمع مقاطع آتی ہے۔

حافظ خطیب ابو بکر نے اپنی کتاب جامع من حدیث المقطوع میں فرمایا کہ مقاطع وہ روایات ہیں جو تابعین پر یہ پر موقوف ہوں۔

امام شافعی اور امام ابو القاسم طبرانی اور کچھ دیگر حضرات اللہ کے کلام میں دیکھا ہے کہ یہ حضرات منقطع غیر متصل کو مقطوع سے تعبیر کرتے ہیں۔

سوال نمبر45۔ کسی صحابی کا یہ کہنا کہ کنا نفعل کذا أو کنا نقول کذا یہ حدیث کس قبیل سے ہے؟

کسی صحابی کا یہ کہنا کہ کنا نفعل کذا أو کنا نقول کذا یعنی ہم اس طرح کا کام کرتے تھے یا ہم اس طرح کی بات کہتے تھے۔ اگر انہوں اپنے قول کی نسبت رسول اللہ ﷺ کے زمانے کی طرف نہ کی ہو تو ان کا یہ قول موقوف کے قبیل سے ہو گا اور اگر رسول اللہ ﷺ کے زمانے کی طرف نسبت کی ہو تو محدثین وغیرہ نے جزم کے ساتھ کہا ہے کہ اس وقت صحابی مذکور کا یہ قول حدیث مرفوع کے قبیل سے ہو گا۔ مجھے ابو بکر برقانی سے یہ پر پہنچی ہے کہ انہوں نے امام ابو بکر اسماعیلی سے اس قسم کی روایت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کے مرفوع ہونے کا انکار کر دیا لیکن پہلا قول (اس کے مرفوع ہونے کا قول) معتمد ہے اس لیے کہ صحابی کا کسی فعل یا قول کو رسول اللہ کے زمانے کی طرف منسوب کرنا بظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کہ رسول اللہ ﷺ کو اس فعل یا قول کا علم ہوا اور آپ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی اور سول اللہ ﷺ کا کس کام پر خاموش رہنا اور اس پر نکیر نہ کرنا سنن مرفوعہ میں سے ہے

سوال نمبر46۔ کسی صحابی کا یہ قول کس قبیل سے ہے؟ کنا لا نری بأسا بکذا و رسول اللہ ﷺ فینا أو: کان یقال کذا و کذا علی عھدہ. أو: کانوا یفعلون کذا و کذا فی حیاتہ ﷺ

کسی صحابی کا یہ قول بھی ہے کنا لا نری بأسا بکذا و رسول اللہ ﷺ فینا أو: کان یقال کذا و کذا علی عھدہ. أو: کانوا یفعلون کذا و کذا فی حیاتہ ﷺ ہم فلاں بات یا کام میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے حالانکہ رسول اللہ ﷺ ہمارے

درمیان موجود تھے یا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں فلاں فلاں بات کہی جاتی تھی یا صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں فلاں فلاں کام کیا کرتے تھے۔ یہ سب الفاظ مرفوع مسند روایتیں ہیں اور کتب مسانید نے ان کو نقل کیا ہے۔

سوال نمبر47۔ کسی صحابی کا یہ قول کس قبیل سے ہے؟ أمرنا بكذا أو نهينا عن كذا

کسی صحابی کا یہ کہنا أمرنا بكذا أو نهينا عن كذا: کہ ہمیں فلاں کام یا فلاں بات کا حکم دیا گیا ہے یا فلاں کام یا فلاں بات سے منع کیا گیا ہے، یہ محدثین کے نزدیک مرفوع اور مسند کی ایک قسم ہے اور اکثر اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔ ایک فریق نے اس کی مخالفت کی ہے جن میں ابو بکر اسماعیلی بھی

ہیں۔ پہلا قول ہی صحیح ہے اس لیے کہ صحابہ کرام کے اس طرح کے مطلق اقوال سے مراد صاحب امر اور صاحب نہی سے مراد جناب رسول اللہ ﷺ ہیں۔

سوال نمبر48۔ کسی صحابی کا یہ قول کس قبیل سے ہے؟من السنة كذا

اسی طرح کسی صحابی کا قول من السنة كذا. اس طرح کے قول کے بارے میں صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ مسند مرفوع ہے اس لیے کہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد صرف رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے جس کی اتباع ضروری ہے

سوال نمبر۴۹۔ حضرت انس کا یہ قول حدیث کی کونسی قسم ہے؟ أمر بلال أن يشفع الأذان ويوتر الإقامة

اس طرح حضرت انس کا قول ہے: أمر بلال أن يشفع الأذان ويوتر الإقامة: حضرت انس نے فرمایا کہ حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان دوہرے کلمات کے ساتھ کہے اور اقامت کو اکہرے کلمات کے ساتھ کہے اور اس طرح کے تمام اقوال کا یہی حکم ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ صحابی کا یہ قول رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہو یا رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے بعد ہو۔

سوال نمبر50۔ صحابہ کے تفسیری اقوال، حدیث کی کونسی قسم ہوتی ہے؟

صحابی کا کسی آیت کی تفسیر کرنا حدیث مسند ہے تو اس سے وہ تفسیر مراد ہے جس کا تعلق کسی آیت کے سبب نزول کے ساتھ ہو جس کی خبر کسی صحابی نے دی ہو یا اس سے ملتی جلتی روایت ہو جیسے حضرت جابر کا قول ہے کہ یہود کہتے تھے کہ جس نے اپنی بیوی کے ساتھ پچھلی جانب سے فرج میں مباشرت کی تو اس کی اولاد بھینگی پیدا ہو گی تو اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس کے علاوہ صحابہ کرام میں خود کی باقی تفاسیر جن کو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب نہ کیا ہو تو وہ موقوف روایات میں شمار ہوں گی۔

سوال نمبر51۔ اگر سند میں صحابی کا ذکر کرتے وقت یہ الفاظ ہوں تو حدیث کس قبیل سے ہو گی؟ يرفع الحديث أو: يبلغ به أو: ينميه أو رواية

ایسی روایات بھی حدیث مرفوع کی قبیل سے ہوں گی جن کی سند میں صحابی کا ذکر کرنے کے وقت مندرجہ ذیل الفاظ کہے گئے يرفع الحديث أو: يبلغ به أو: ينميه أو: رواية: اس کی مثال مندرجہ ذیل روایت ہے۔ سفيان بن عيينة عن أبي الزناد عن الأعرج عن أبي هريرة رواية: تقاتلون قوماً صغار الأعين.... الحديث عن أبي هريرة يبلغ به قال: الناس تبع لقريش.. الحديث یہ تمام روایتیں اور ان روایتوں میں رسول اللہ الفاظ تک مرفوع روایتوں سے کنایہ ہیں اور اہل علم کے نزدیک یہ روایتیں صریح مرفوع کے حکم میں ہیں

سوال نمبر52۔ جب راوی تابعی سے یہ الفاظ نقل کرے تو حدیث کس قبیل ے ہو گی؟ یَرْفَعُ الحَدِیث أَوْ یَبْلُغُ بِہٖ

امام ابن صلاح کہتے ہیں کہ میری رائے میں وہ حدیث مرفوع ہی ہو گی۔

النوع التاسع معرفة المرسل

سوال نمبر52۔ محدث ابن الصلاح نے مرسل کی جو تعریفات بیان کی ہیں انہیں اپنے الفاظ میں بیان کریں؟

محدث ابن الصلاح نے مرسل کی چار تعریفیں ذکر کی ہیں جن میں ایک متفق علیہ اور تین مختلف فیہ ہیں۔

ا۔ ایک بڑا تابعی جس نے بے شمار صحابہ کرام سے ملاقات کی ہو جیسا کہ عبید اللہ بن عدی اور سعید بن مسیب اگر اس طرح کا تابعی درمیان سے صحابی کا واسطہ چھوڑ کو روایت بیان کرے اور براور است رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف منسوب کرے تو اسے مرسل کہا جاتا ہے محد ثین کے ہاں یہ قسم متفق علیہ ہے۔

۲۔ اگر سلسلہ سند تابعی سے پہلے پہلے منقطع ہو گیا تو ایسی روایت کو مرسل شمار کرنے کے متعلق اختلاف ہے۔ امام حاکم کے نزدیک یہ منقطع ہے کیونکہ مرسل کے لئے کسی تابعی کا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نقل کرنا ضروری ہے فقہاء احناف اور محدثین میں سے خطیب بغدادی نے بھی اسے مرسل شمار کیا ہے۔

۳۔ صغار تابعین جنہوں نے صرف ایک یا دو صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے اور ان کی بیشتر روایات تابعین کرام سے ہیں جیسا کہ ابو حازم اور یحیی بن سعید وغیرہ، اگر اس طرح کے تابعین کسی روایت کو نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حوالہ سے بیان کریں تو اس کے متعلق بھی محدثین کا اختلاف ہے بعض اسے مرسل کہتے ہیں جبکہ کچھ محدثین اسے منقطع کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

۴۔ سلسلہ سند میں کسی راوی کا مبہم طور پر ذکر آ جائے۔ مثلا فلان عن رجل عن النبی اس کے متعلق بھی محدثین کا اختلاف ہے امام حاکم نے "معرفۃ علوم الحدیث" میں بیان کیا ہے کہ اس طرح کی روایات مرسل نہیں کہلائیں گی جب کہ بعض فقہاء نے اسے بھی مرسل کی قسم میں شامل کیا ہے۔

سوال نمبر53۔ کسی مبہم راوی کی روایت کے متعلق امام ابن الصلاح کا نظریہ پیش کریں۔

امام ابن صلاح کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس میں ذرا تفصیل ہے۔ اگر کوئی راوی مطلق طور پر یوں کہتا ہے کہ فلان عن رجل عن النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تو ایسی روایت قابل قبول نہیں کیونکہ مبہم راوی کے متعلق کوئی پتہ نہیں کہ وہ تابعی ہے یا صحابی ہے، اگر وہ تابعی ہے تو ثقہ ہے یا غیر ثقہ اگر رجل کے ساتھ من اصحاب النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اضافہ کرتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ وہ عن کے ساتھ بیان کرتا ہے یا اس سے روایت لینے اور سننے کی تصریح کرتا ہے اگر صرف یوں کرتا ہے فلان عن رجل من اصحاب النبی تو اس روایت کے متعلق توقف کیا جائے گا اور اگر یوں کہتا ہے کہ سمعت یا اخبرنی رجل من اصحاب النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تو تمام محدثین کے نزدیک یہ روایت قابل حجت اور لائق عمل ہے۔

سوال نمبر54۔ حدیث مرسل کا حکم بیان کریں۔

جمہور حفاظ الحدیث اور نقاد کی آراء میں حدیث مرسل کا حکم حدیث ضعیف کا ہے مگر یہ کہ وہ کسی دوسری صحیح سند سے مروی ہو تو اسے ضعیف نہیں کہتے۔ اسی لیے امام شافعی نے سعید بن مسیب کی مراسیل سے احتجاج کیا ہے۔ کیونکہ سعید بن مسیب کی مراسیل دوسری صحیح اسانید سے بھی مروی ہیں۔

سوال نمبر55۔ کونسے اہل علم مرسل روایت کو بطور حجت لیتے ہیں اور کون نہیں لیتے؟

مرسل روایت کو بطور حجت لینے والوں میں سے سرفہرست امام مالک اور امام ابو حنیفہ ہیں۔ اور اس کی حجت کا انکار کرنے والوں میں امام مسلم اور حافظ ابن عبد البر سرفہرست ہیں۔

سوال نمبر56۔ مرسل الصحابی کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

ایسے صحابہ کرام جنہوں نے صغر سنی میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو وہ اگر کسی روایت کو رسول اللہ ﷺ سے نہ سننے کے باوجود برا راست آپ

سے بیان کرتے ہیں تو اسے مرسل الصحابی کہتے ہیں۔ اس طرح کی روایات موصول کے حکم میں ہیں کیونکہ ان کی پیشتر روایات صحابہ کرام سے ہی مروی ہوتی ہیں اگر کسی صحابی کا نام روایت کرتے وقت بیان نہ کیا جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ محدثین کے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ الصحابۃ کلھم عدول یعنی صحابہ کرام سب کے سب راست باز اور دیانت دار ہیں۔

سوال نمبر57۔ کیا صحابہ کرام نے تابعین سے بھی روایات لی ہیں؟ اگر لی ہیں تو کس قسم کی؟

جی ہاں! بعض صغار صحابہ نے تابعین کبار سے بھی روایات لی ہیں لیکن ایسی روایات کا تعلق اسرائیلیات یا حکایات یا موقوف روایات سے ہے واضح رہے کہ بعض صحابہ کرام نے تابعین کے واسطہ سے بھی مرفوع روایات بیان کی ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔

سوال نمبر58۔ مسائل واحکام میں مرسل روایت حجت ہے یا نہیں؟ تفصیل سے بیان کریں؟

اصولی طور پر مرسل روایت ضعیف اور نا قابل اعتبار ہے کیونکہ اس میں قبولیت کی شرائط میں سے دو شرائط معدوم ہیں یعنی ایک سند کا متصل ہونا دوسرا محذوف راوی کی جہالت کیونکہ ممکن ہے کہ محذوف راوی صحابی ہو یا تابعی ہو اگر وہ تابعی ہے تو اس کے ضعیف اور نا قابل اعتبار ہونے کا بھی احتمال ہے لیکن یہ انقطاع اپنے اندر ایک الگ نوعیت رکھتا ہے کیونکہ اکثر اوقات مرسل روایات میں صحابی کا واسطہ ہی محذوف ہوتا ہے جو قبولیت کے لئے رکاوٹ نہیں ہے اس بناء پر محدثین کے ہاں مرسل کی حجت متعلق تین آراء ہیں۔

۱۔ جمہور محدثین اور دیگر فقہاء عظام مرسل روایات کو نا قابل اعتبار خیال کرتے ہیں۔ وجوہات اوپر بیان ہو چکی ہیں۔

۲۔ بعض فقہاء مطلق طور پر مرسل روایات کو قابل حجت سمجھتے ہیں ان کے دلائل یہ ہیں۔ جب ایک ثقہ راوی بڑے وثوق سے رسول اللہ ﷺ کے حوالہ سے ایک روایت بیان کرتا ہے تو حسن ظن رکھنا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ سے ضرور کسی صحابی نے سنا ہو گا جس کا سند میں ذکر نہیں آسکا۔ ظاہر ہے کہ تابعین عظام نے ذخیرہ احادیث حضرات صحابہ کرام سے حاصل کیا ہے اور صحابہ کرام سب کے سب ثقہ اور عادل ہیں لہذا اگر ان کا ذکر سلسلہ سند میں نہ آئے تو کوئی حرج نہیں۔ پہلی تین صدیاں جن کے متعلق خود رسول اللہ ﷺ نے خیر القرون ہونے کی شہادت دی ہے اس شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرسل روایات بیان کرنے والے انتہائی راست باز اور عادل لوگ ہیں جب ہمیں ان کی جرح کے متعلق کوئی علم نہیں تو یقیناوہ ثقہ ہوں گے اور ان کی بیان کردہ روایات قابل قبول ہوں گی۔

۲۔ بعض محدثین نے مشروط طور پر مرسل روایت کو قابل حجت تسلیم کیا ہے مثلا امام مالک کے نزدیک وہ مرسل روایت قابل حجت ہے جو ایسے راوی سے بیان کی گئی ہو جو ہمیشہ ثقہ راویوں سے روایت لیتا ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ مرسل روایت قابل حجت ہوتی ہے جس کا بیان کرنے والا پہلی تین صدیوں میں سے ہو اس سلسلہ میں

سوال نمبر59۔ حضرت امام شافعی کے نزدیک مرسل کی قبولیت کے لیے کتنی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے؟

حضرت امام شافعی کی بات آخری اور فیصلہ کن ہے۔ وہ یہ ہے کہ مرسل روایت کے قبول کرنے کے لئے چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ان میں سے تین شرائط راوی سے متعلق ہیں اور ایک شرط اس روایت سے متعلق ہے تفصیل یہ ہے:

وہ شرائط جو راوی سے متعلق ہیں: 1 ۔ مرسل روایت بیان کرنے والا بڑا تابعی ہو۔ ۲۔ جب کبھی کسی محذوف واسطے کا ذکر کرے تو وہ واسطہ بھی ثقہ ہو۔ ۳۔ جب دوسرے محدثین روایت بیان کرنے میں اسکے شریک ہوں تو وہ اسکی مخالفت نہ کریں۔

۴۔ وہ شرط جس کا روایت سے تعلق ہے وہ یہ ہے کہ مذکورہ روایت کسی اور طریقہ سے بھی مروی ویا اس کا بیان کسی صحابی کے قول

کے مطابق ہو یا اس کے بیان کے مطابق اکثر اہل علم کا فتوی ہو۔ جب یہ شرائط کسی مرسل روایت میں پائی جائیں گی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مرسل روایت صحیح اور قابل حجت ہے بصورت دیگر مرسل روایت ضعیف کی اقسام میں شمار ہو گی۔

النوع العاشر معرفة المنقطع

سوال نمبر 60۔ مرسل اور منقطع میں کیا فرق ہے؟

محدثین نے مرسل اور منقطع میں چار طرح سے فرق کو بیان کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ امام حاکم کے نزدیک مرسل روایت تابعین کے ساتھ خاص ہے اور منقطع یہ ہے کہ سلسلہ سند میں کسی بھی جگہ انقطاع آجائے۔ جیسا کہ یہ روایت رویناہ عن عبدالرزاق عن سفیان الثوری عن أبی اسحاق عن زید بن یثبع عن خذیفة قال قال رسول اللہ ﷺ إن ولیتموها أبابکر فقوی امین

اب اس سند میں دو جگہ انقطاع ہے ایک تو عبد الرزاق نے سفیان ثوری سے اور دوسرے سفیان ثوری نے أبو اسحاق سے کچھ نہیں سنا۔

۲۔ عبد البر کے نزدیک بایں طور فرق کیا گیا ہے کہ مرسل روایات تو تابعین کے ساتھ مخصوص ہیں جبکہ منقطع روایات مرسل، اور اس کے علاوہ دیگر روایات

کو بھی شامل ہیں۔ ان کے نزدیک جس کی سند متصل نہ ہو وہ منقطع ہے خواہ اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہو یا کسی اور کی طرف۔

۳۔ علامہ خطیب بغدادی اور دیگر فقہاء احناف کے نزدیک منقطع اور مرسل میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے پر صادق آتی ہیں ان کے

نزدیک جس روایت میں کہیں بھی انقطاع آجائے وہ منقطع اور مرسل ہے۔ جیسے مالك عن ابن عمر

۴۔ بعض محدثین نے اس فرق کو یوں واضح کیا ہے کہ تابعی اگر رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتا ہے تو یہ مرسل ہے اور تابعین، تبع تابعین اور دیگر ائمہ دین کے اقوال وافعال منقطع روایات میں شامل ہیں۔ لیکن منقطع کی یہ تعریف درست نہیں ہے کیونکہ محدثین کے نزدیک ایسی روایات مقطوع کہلاتی ہیں۔

سوال نمبر 61۔ انقطاع کی کتنی اور کونسی اقسام ہیں؟

محدثین کے نزدیک انقطاع کی دو اقسام ہیں:

۱۔ درمیان سے کسی راوی کو بایں طور حذف کر دیا جائے کہ اس کو تعیین یا ابہام کے طور پر بھی ذکر نہ کیا جائے۔

۲۔ درمیان میں کسی راوی کا تذکرہ صرف مبہم طور پر ہو اور اس کی تعیین نہ کی جائے۔ جیسے رجل و شیخ

النوع الحادی عشر معرفة المعضل

سوال نمبر 62۔ معضل کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کریں۔ محدث ابن الصلاح نے معضل کو لغوی طور پر مشکل کیوں قرار دیا ہے؟

لغوی طور پر یہ "اعضلہ" کا اسم مفعول ہے جس کا معنی تھکا ماندہ ہے۔ ابن صلاح نے لغوی طور پر اس کی توجیہ کو مشکل قرار دیا ہے کیونکہ اس کا مجرد لازم استعمال ہوتا ہے اور باب افعال میں اسے متعدی استعمال ہونا چاہئے تھا لیکن اسے باب افعال میں بھی لازم استعمال کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ باب افعال لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور اس مقام پر "عضل" اور "اعضل دونوں استعمال ہوتے ہیں۔

اصطلاح میں معضل اس کو کہتے ہیں جس کی سند سے مسلسل دو یا زیادہ راوی حذف ہوں یہ بھی منقطع کی خاص قسم ہے لیکن ہر منقطع روایت کو معضل نہیں کہا جائے گا۔ جیسے تبع تابعی ڈائریکٹ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرے۔

سوال نمبر63۔ معضل کی اقسام بیان کریں۔

اس کی درج ذیل اقسام ہیں۔

ا۔ ایک تبع تابعی کسی روایت کو براہ راست نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتا ہے چونکہ اس میں تابعی اور صحابی کا واسطہ چھوڑ دیا ہے اس بناء پر اسے معضل کہا جاتا ہے۔

۲۔ اگر کوئی محدث بَلَغَنِي " کے لفظ سے حدیث بیان کرتا ہے اور پوری سند کا حوالہ نہیں دیتا اسے بھی معضل کہتے ہیں مثلا امام مالک کے معضلات مشہور ہیں۔

۳۔ عام مصنفین اور فقہاء جو سند کے بغیر احادیث بیان کرتے ہیں محدثین کرام نے ایسی روایات کو بھی معضل کہا ہے البتہ خطیب خدادی اس طرح کی روایات کو مرسل کہتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ہر وہ حدیث جس کی سند متصل نہ ہو مرسل کہلاتی ہے۔

۴۔ ایک تبع تابعی اپنے استاد سے حدیث بیان کرتا ہے اور سند میں صحابی اور نبی اکرم ﷺ کا حوالہ نہیں دیتا بلکہ اس کے بغیر موقوف کر دیتا ہے اس بھی معضل کہتے ہیں۔ مثلا اعمش شعبی سے بیان کرتے ہیں۔ يقال الرجل يوم القيامة..... الخ حالانکہ یہ حدیث جب دوسرے طرق سے بیان کی جاتی ہے تو حضرت انس نبی اکرم سے بیان کرتے ہیں چونکہ اعمش نے صحابی اور نبی کا واسطہ چھوڑ دیا ہے اسے بھی معضل کہا جاتا ہے۔

سوال نمبر64۔ معنعن کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کریں۔ اور کیا یہ متصل ہے یا منقطع ہے؟

لغوی لحاظ سے معنعن اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے، لفظ عن سے روایت کرنا ہے اصطلاحی طور پر اس روایت کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی راوی عن فلان کہہ کر حدیث بیان کرنے۔ جیسے عن عثمان عن عروة عن عائشة إلى آخره، اس روایت کے متعلق محدثین کا اختلاف ہے کہ یہ منقطع ہے یا متصل؟

اس کی تفصیل حسب ذیل ہے: بعض علماء نے اس قسم کی روایت کو منقطع اور مرسل کہا ہے البتہ اس کا اتصال ثابت ہو جائے تو اسے متصل قرار دیا جائے گا۔

جمہور محدثین نے اسے متصل کہا ہے اور جن محدثین نے اپنی تصانیف میں صحیح روایات لانے کی پابندی کی ہے انہوں نے اس طرح کی روایات کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے البتہ انہوں نے اسے متصل کے طور پر قبول کرنے کے لئے چند شرائط کا ذکر کیا ہیں جن میں دو اتفاقی ہیں اور باقی اختلافی ہیں۔

اتفاقی شرائط

ا۔ عن کے ساتھ بیان کرنے والا راوی مدلس نہ ہو۔ ۲۔ بیان کرنے والا اور جس سے بیان کرنا ہے ان کی آپس میں ملاقات کا امکان ہو۔

امام مسلم نے صرف انہی دو شرطوں پر اکتفا کیا ہے اس کے علاوہ کسی اور شرط کو تسلیم نہیں کرتے۔ (علی بن مدینی اور امام بخاری نے امام مسلم کی اس بات کو قبول نہیں کیا)

اختلافی شرائط

ا۔ ملاقات کا صرف امکان ہی کافی نہیں بلکہ حقیقتا ملاقات ثابت ہو۔ امام بخاری اور انکے استاد امام علی بن مدینی جیسے محققین نے اس شرط کو معتبر قرار دیا ہے۔

۲۔ عرصہ دراز تک انکی آپس میں مجلس ہوئی ہو یہ شرط ابو المظفر السمعانی کی ہے۔

سوال نمبر65۔ حدیث مئۃئن کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کریں نیز اس میں اور معنعن میں فرق واضح کریں؟

لغوی لحاظ سے یہ اِنَّ کا اسم مفعول ہے جس کا معنی ہے اِنَّ کا استعمال کرنا ہے اور محدثین کی اصطلاح میں راوی کا اس طرح روایت بیان کرنا کہ "حدثنا فلان أن فلانا" مئۃئن کہلاتا ہے۔

جمہور اہل علم اور امام مالک کے نزدیک آنَّ فلانا اور عن فلان میں کوئی فرق نہیں ہے ان کے نزدیک حروف اور الفاظ کا کوئی فرق نہیں، بلکہ روایات کے لئے معتبر چیز باہمی ملاقات، براوراست سماع کرنا اور ایک دوسرے سے روایت لینا اور دینا ہے۔

جب کسی راوی میں تدلیس کا اندیشہ نہ ہو اور اس کا سماع بھی ثابت ہو تو حدیث متصل شمار ہو گی۔ خواہ عن سے بیان ہو یا آنَّ سے کیونکہ متصل روایات کو عن رسول اللہ قال اور ان رسول اللہ قال دونوں طرح سے بیان کیا جاسکتا ہے۔

البتہ امام احمد نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں اسلوب الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں ان کے نزدیک عن ابن حنفیۃ عن عمار قال اتیت النبی وهو یصلی فسلمت علیه، فرد علی السلام ۔ اب انہوں نے اس روایت متصل و مسند شمار کیا ہے۔ اور اگر اس روایت کو یوں بیان کی جائے کہ عن ابن حنفیه ان عمار مَرَّ بالبنی وهو یصلی تو اسے مرسل شمار کیا جائے گا کیونکہ ان کے اسلوب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن حنفیہ نے حضرت عمار کا نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرنے کو بیان کیا ہے حالانکہ اس وقت ابن حنفیہ موجود نہ تھا لہذا اس انداز سے بیان کی ہوئی روایت کو مرسل کیا جائے گا۔

لیکن اگر کوئی صحابی دوسرے صحابی سے بیان کرتے وقت یہ ان کا اسلوب اختیار کرتا ہے تو روایت متصل شمار ہو گی جیسے نافع عن ابن عمر عن عمر قال یارسول اللہ.. إلی آخرہ اس طرز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسند عمر ہے اور نافع عن ابن أن عمر قال یا رسول اللہ ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسند ابن عمر د ممکن ہے۔ لہذا ان دونوں صورتوں میں بیان کی گئی روایت کو متصل ہی شمار کیا جائے۔

سوال نمبر66۔ تعلیقات امام بخاری پر ایک جامع نوٹ لکھیں نیز اس کا حکم اور اقسام بیان کریں؟

تعلیق کا لغوی معنی ہے: اوپر سے باندھ کر نیچے لٹکانا ہے اور جس حدیث میں تعلیق پائی جائے اسے معلق کہتے ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں معلق روایت وہ ہے

جس کی سند کے آغاز سے ایک یا اس سے زائد راوی مسلسل حذف ہو جائیں۔ اسے معلق اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا اوپر والا حصہ متصل ہوتا ہے اور نچلی جانب سے اتصال پایا جاتا ہے اس کی عام طور پر دو صورتیں ہیں

۱۔ تمام سند محذوف ہوتی ہے حدیث کا آغاز قال رسول اللہ ﷺ سے کیا جاتا ہے۔

۲۔ حدیث کا آغاز قال ابو هریرہ قال رسول اللہ یا صحابی کے نیچے سے تمام سند محذوف ہوتی ہے۔

حکم: اس کا عام حکم تو ضعیف حدیث کا ہے کیونکہ اتصال سند موجود نہیں ہے لیکن امام بخاری نے اپنی کتاب میں صحیح احادیث لانے کا التزام کرنے کے باوجود معلق روایات ذکر کی ہیں، ہے لہذا تعلیق بخاری کے متعلق دو مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آئے ہیں۔

پہلا نقطہ نظر۔ امام دار قطنی اور امام ابن حزم نے اسے منقطع کہا ہے لیکن ابن حزم اس حد تک آگے نکل گئے ہیں کہ آلات موسیقی کی حرمت کے قائل نہیں کیونکہ اس سلسلہ میں جو صحیح بخاری کی حدیث گانے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے وہ معلق تھی (أخرجه البخاری عن أبی مالك الأشعری عن رسول اللہ: لیکونن فی أمتی أقوام یستحلون الحریر والخمر والمعازف) لہذا امام ابن حزم نے

اسے منقطع کہہ کر مسترد کر دیا ہے۔

دوسرا نقطہ نظر: دیگر محدثین نے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے کہ وہ تعلیقات بخاری کی دو اقسام بناتے ہیں:

۱۔ جسے بخاری نے بڑے جزم اور وثوق سے بیان کیا ہے۔ جیسے آپ کا یہ قول **قال هشام ذكر الشعبي ذكر فلان** وغیرہ اس کے متعلق محدثین کا فیصلہ یہ ہے کہ متصل روایات ہیں اور صحیح ہیں اس طرح کی تعلیق کو امام بخاری عام طور پر دو وجہ سے بیان کرتے ہیں۔

الف۔ روایت متصل ہوتی ہے اور ثقہ راویوں نے اسے بیان کیا ہوتا ہے لیکن یہ روایت امام بخاری کی شرائط کے مطابق نہیں ہوتی لہذا اسے تعلیق سے بیان کر دیتے ہیں۔

ب۔ امام بخاری اپنی صحیح میں کسی مقام پر اسے متصل بیان کرتے ہیں لہذا طوالت کے خوف سے اس کی سند حذف کر دیتے ہیں۔

۲۔ امام بخاری جزم اور وثوق کی بجائے تعلیق کو صیغہ تمریض سے بیان کرتے ہیں جیسے **قيل، أنكر، أخطى** اس طرح کی تعلیقات کو یقین کے ساتھ صحیح نہیں کہا جا سکتا بلکہ ان میں حسن اور ضعیف بھی ہوتی ہیں۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ اسلوب وہاں اختیار کرتے ہیں جہاں روایت کو بطور دلیل نہیں بلکہ بطور استشہاد اور تائید پیش کرنا ہو

نوٹ: حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب تعلیق التعلیق میں اس طرح کی تمام روایات کو دوسرے طرق سے متصل بیان کیا ہے۔ ابن حزم نے جس حدیث پر اعتراض کیا ہے وہ حدیث طبرانی، ابن حبان نے اپنی اسناد سے متصل بیان کی ہے۔ لہذا ان کے اعتراضات کا کوئی وزن نہیں ہو گا۔

نوٹ: بعض علماء کے (**قال لی فلان اور زادنا فلان**) کو بھی تعلیق میں شامل کیا ہے حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ علیہ اس طرح کے الفاظ تحریری اجازت نامے پر سبیل تذکرہ حدث بیان کرتے وقت استعمال کرتے ہیں۔

نوٹ: بعض محدثین نے سند کے درمیان یا آخر سے کوئی راوی حذف ہو تو اسے بھی تعلیق میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ محدثین کی اصطلاح میں ان کے مستقل نام مثلاً منقطع، مرسل اور معضل میں لہذا یہ روایات تعلیقات میں شامل نہیں ہوں گی۔

لہذا امام بخاری کی تعلیقات کو اسی تفصیل سے دیکھا جائے گا اور ان سب روایات کو اتصال پر محمول کیا جائے گا۔

سوال نمبر 67۔ جس حدیث کو بعض محدثین نے مرسل روایت کیا ہو اور بعض نے متصل تو اس کے بارے میں محدثین کا کیا اختلاف پایا جاتا ہے؟

اس طرح کی روایت کے متعلق اختلاف کرنے سے پہلے بطور مثال ہم ایک روایت کا حوالہ دینا ضروری خیال کرتے ہیں۔ **لا نكاح الأبولي:** جسے امام ترمذی نے بیان کیا ہے اس روایت کو اسرائیل بن یونس یوں بیان کرتے ہیں: **عن أبي بردة عن أبي موسى عن رسول الله** ﷺ یعنی یہ روایت موصول بیان کرتے ہیں جبکہ اس روایت کو سفیان ثوری اور شعبہ مرسل بیان کرتے ہیں ان کے الفاظ یہ ہیں: **عن أبي بردة عن رسول الله** اس طرح کی روایت کے متعلق محدثین کے چار اقوال سامنے آئے ہیں۔

۱۔ اکثر اصحاب الحدیث اس طرح کی روایت کو مرسل کہتے ہیں کیونکہ ارسال سے بیان کرنا جرح کی ایک قسم ہے لہذا اسے مقدم سمجھا جائے۔

۲۔ بعض محدثین کا خیال ہے کہ اکثریت کو دیکھا جائے اگر مرسل بیان کرنے والے زیادہ ہوں تو اسے مرسل کیا جائے بصورت دیگر یہ متصل شمار ہو گی۔

۳۔ بیان کرنے والوں میں جس کا حافظہ اور قوت یادداشت مضبوط ہو اس کی بیان کردہ روایت کو ترجیح دی جائے گی۔

۴۔ بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ فیصلہ اس راوی کے حق میں ہو گا جو متصل بیان کرتا ہے بشرطیکہ وہ عادل اور ضابط ہو اس کے مقابلے میں مخالفت کرنے والا ایک یا زائد ہوں تو ان کا خیال نہیں کیا جائے گا۔

علامہ خطیب بغدادی نے آخری مؤقف کی تائید کی ہے اور لکھا ہے: هذا القول هو الصحيح کیونکہ مرسل بیان کرنے والا کسی خاص غرض سے یا بھول کر ایسا کرتا ہے اور متصل بیان کرنے والا ہمیں ایک زائد چیز سے آگاہ کرتا ہے اور ثقہ راوی کا اضافہ قبول ہے۔

اسی طرح اگر ایک ہی راوی بعض اوقات مرسل بیان کرتا ہے اور کبھی دوسرے وقت اس طرح اس روایت کو موصول بیان کرتا ہے تو اس کے موصول بیان کرنے کو ترجیح دی جائے گی۔

اسی طرح اگر کوئی راوی ایک روایت کو موقوف بیان کرتا ہے اور دوسرے وقت ایسی ہی روایت مرفوع بیان کر دیتا ہے تو مرفوع کو ترجیح ہو گی۔

النوع الثانی عشر معرفة التدليس وحكم المدلس

سوال نمبر 68۔ مدلس کی تعریف کریں نیز اس کی اقسام اور ان کا حکم تحریر کریں۔؟

لغت: لغت میں خریدنے والے سے کسی عیب کا چھپانا تدلیس کہلاتا ہے۔

اصطلاحاً: سند کے کسی عیب کو چھپا کر اس کے ظاہری پہلو کو خوشنما بنا کر پیش کرنے کا نام تدلیس ہے اس کی دو اقسام ہیں

تدلیس الاسناد: ایک راوی کسی محدث کے حوالہ سے کوئی روایت بیان کرتا ہے حالانکہ یہ روایت براہ راست اس سے نہیں سن سکا اس کے علاوہ دیگر روایات میں اس کا سماع ثابت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ راوی جس روایت کو بیان کر رہا ہے یہ کسی اور شخص سے سنی تھی اس کو حذف کر کے دوسرے محدث کے حوالہ سے قال یا عن جیسے الفاظ سے بیان کرتا ہے۔ مثلاً علی بن حشرم کہتے ہیں قال کنا عند ابن عيينة فقال الزهري ہم نے پوچھا کہ آپ نے زہری سے سنا ہے؟ تو جواب دیا میں نے زہری سے نہیں سنا اور نہ کسی ایسے آدمی سے جس نے زہری سے سنا ہو۔ پھر کہا مجھے عبد الرزاق نے معمر سے اور معمر نے زہری سے بیان کیا ہے۔

تدلیس الاسناد کا حکم: تدلیس کی یہ قسم انتہائی مکروہ ہے بعض محدثین نے التدليس اخوا الكذب کہہ کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔

تدلیس الشیوخ: ایک راوی کسی محدث سے حدیث بیان کرتا ہے لیکن اس کا معروف نام لینے کی جائے اس کا غیر معروف نام، لقب یا کنیت ذکر کرتا ہے تاکہ اس پر پردہ پڑا رہے حالانکہ بیان کردہ حدیث اس سے براہ راست سن چکا ہوتا ہے لیکن اس میں موجود کمزوری کو چھپانے کیلئے یہ طریقہ اختیار کرتا ہے۔

تدلیس الشیوخ کا حکم: یہ تدلیس کراہت کے لحاظ سے کچھ کم درجہ رکھتی ہے کیونکہ اس میں کسی راوی کو حذف نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اس پر پردہ ڈالا جاتا ہے تاکہ اس کی جان پہچان نہ ہو سکے

سوال نمبر 69۔ محدثین کے ہاں مدلس روایت کے قبول اور رد کے متعلق کتنے اور کونسے اقوال ہیں؟

محدثین کے ہاں مدلس روایت کے قبول اور رد کے متعلق تین اقوال ہیں:

۱۔ روایت کو مطلق طور پر رد کر دیا جائے اگرچہ وہ کسی موقع پر اپنے سماع کی وضاحت بھی کر دیتا ہے۔

۲۔ ایسی روایت کو مطلق طور پر قبول کیا جائے گا۔

لیکن یہ دونوں قول ہے بے بنیاد اور ضعیف ہیں۔

۳۔ اگر مدلس راوی کسی مقام پر اپنے سماع کی وضاحت کر دیا ہے تو ایسی روایت کو قبول کریں اگر وہ کسی مقام پر اس قسم کی وضاحت نہیں کرتا، بلکہ عن وغیرہ سے روایت بیان کرتا ہے تو اسے قبول نہ کیا جائے۔

سوال نمبر70۔ تدلیس کی اغراض بیان کریں۔

تدلیس کی بے شمار اغراض ہیں ان میں سے مشہور یہ ہیں۔

۱۔ راوی کا استاد ضعیف اور غیر ثقہ ہوتا ہے۔ ۲۔ راوی کا شیخ عمر میں اس سے چھوٹا ہوتا ہے۔

۳۔ کثرت روایات کا شوق اس کو تدلیس پر آمادہ کرتا ہے۔ ۴۔ علو اسناد کی خاطر تدلیس کی جاتی ہے۔

۵۔ اپنے استاد سے بعض اشیاء نہ سننے کی وجہ سے استاد کی طرف ان کی نسبت کر کے۔ ۶۔ محدث دیر تک زندہ رہتا ہے کہ بیان کرنے والے کے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی اس استاذ سے سماع کیا۔ لیکن اسے یہ شراکت گوارہ نہیں اس لیے تدلیس کا سہارا لیتا ہے۔

النوع الثالث عشر معرفة الشاذ

سوال نمبر71۔ ابن اصلاح نے شاذ کی تعریف میں جو اقوال ذکر کئے ہیں انہیں بہترین اسلوب سے بیان کرتے ہوئے صحیح قول کی وضاحت کریں۔

ابن اصلاح نے شاذ کے متعلق تین اقوال ذکر کئے ہیں

۱۔ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ شاذ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک ثقہ راوی کوئی ایسی حدیث بیان کرے جو دوسروں کے خلاف ہو۔ شاذ اسے نہیں کہیں گے کہ ایک راوی کوئی حدیث بیان کرنے میں منفرد ہو۔

۲۔ ابو یعلی الخلیلی کے نزدیک شاذ وہ روایت ہے جس کی صرف ایک ہی سند ہو اور اسے بیان کرنے والا صرف ایک ہو اور راوی اگر غیر ثقہ ہے تو یہ روایت بھی نا قابل قبول ہو گی اور اگر بیان کرنے والا ثقہ ہے تو اس کے متعلق توقف کریں گے اور ایسی روایت حجت نہیں، گویا خلیلی کے نزدیک شاذ کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ شاذ صحیح (اگر راوی ثقہ ہوں) ۲۔ شاذ غیر صحیح (جس کے رضوی غیر ثقہ ہوں)

۳۔ امام حاکم کے نزدیک مطلق طور پر منفرد راوی کی روایت کو شاذ کہتے ہیں بشرطیکہ کسی دوسری روایت سے اس کی تائید نہ ہو۔

ابن صلاح کے نزدیک راجح قول

امام شافعی کی تعریف کے مطابق شاذ روایت بلاشبہ نا قابل قبول ہے البتہ خلیلی اور حاکم کی تعریف کے مطابق اگر بیان کرنے والا ثقہ ہے تو اس کے قبول کرنے میں تردد یا اسے مسترد کیوں کیا جائے جیسا کہ حدیث انما الاعمال بالنیات کو بیان کرنے میں حضرت عمر منفرد ہیں اور یہ تفرد تمام سند میں موجود ہے اسی طرح حدیث أن النبی ﷺ نهى عن بيع الولاء وهبته اس حدیث میں عبد اللہ بن دینار منفرد ہیں اور حدیث پاک أن النبی دخل مكة وعلى راسه مغفرة اس حدیث میں امام مالک منفرد ہیں۔ ایسے ہی بے شمار روایات بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔ امام مسلم مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ امام زہری کی تقریبا نوے احادیث ایسی ہیں جن میں وہ بیان کرنے میں منفرد ہیں۔ لہذا مطلقا ایسی روایت کو نا قابل قبول نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

محدث ابن صلاح نے اس سلسلہ میں یہ ضابطہ وضع کیا ہے کہ اگر بیان کرنے والا راوی اپنے سے ثقہ یا ثقات کی مخالفت کرے تو یہ شاذ مردود ہے اگر منفرد

راوی بیان کرنے میں کسی کی مخالفت نہیں کرتا تو اس کی ذات کو دیکھیں گے اس کے ثقہ اور ضابطہ ہونے کی صورت میں اسکی منفرد روایت قبول ہے۔ اگر ثقات اور عدالت میں کچھ کمی ہے تو اس کی روایت کو حسن کے درجہ میں رکھا جائے گا اگر بالکل کمزور اور ضعیف سے تو اس کی منفرد روایت شاذ مردود ہے۔

سوال نمبر72۔ محدث ابن اصلاح کہتے ہیں کہ شاذ اور منکر میں کوئی فرق نہیں۔ ابن اصلاح کی اس بات پر تبصرہ کریں۔

ابن صلاح کے نزدیک شاذ اور منکر میں کوئی فرق نہیں، حالانکہ فرق ہے۔ اگر ثقہ، اوثق کی مخالفت کرے تو روایت شاذ ہے اور اس کے مقابل محفوظ ہے اور اگر ضعیف، اوثق کی مخالفت کرے تو اسے منکر کہتے ہیں اور اس کے مقابل معروف ہے

النوع الرابع عشر معرفة المنكر من الحديث

سوال نمبر73۔ حدیث منکر کی تعریف، اقسام اور حکم واضح کریں۔

جب ضعیف راوی ثقہ کی مخالفت کرے تو ایسی روایت کو منکر کہتے ہیں۔ اس کے بالمقابل روایت کو معروف کہتے ہیں۔ اس کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ وہ منفرد راوی جو ثقہ کی مخالفت کرتے ہوئے روایت بیان کرے اسے منکر کہیں گے

۲۔ وہ منفرد راوی اس قدر ثقہ نہ ہو کہ اس کے تفرد کی کمی کو پورا نہ کیا جاسکے

منکر کا حکم: یہ بھی حدیث ضعیف ہے۔

النوع الخامس عشر معرفة الاعتبار والمتابعات والشواهد

سوال نمبر74۔ محدثین کی اصطلاح میں اعتبار سے کیا مراد ہے؟

لغوی طور پر اعتبار کا معنی معاملات میں غور وفکر کرنا ہے۔ اور محدثین کی اصطلاح میں کسی راوی کے بیان کردہ روایت کے طرق تلاش کرنا ہے تاکہ معلوم کیا جاسکے کہ کہ اس روایت کو بیان کرنے میں کوئی اور بھی شریک ہے یا نہیں؟ حافظ ابو حاتم محمد بن حبان نے ذکر کیا ہے کہ روایت میں طریق اعتبار کی مثال یہ ہے کہ حماد بن سلمہ نے ایک روایت نقل کی ہے اور اس کا کوئی متابع نہیں ہے جس کی سند کچھ اس طرح تھی۔ حماد بن سلمة عن أيوب عن ابن سيرين عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم اب دیکھا جائے گا کہ ایوب کے علاوہ کسی اور ثقہ راوی نے بھی یہ حدیث ابن سیرین سے نقل کی ہے یا نہیں

۱۔ اگر اس کے علاوہ کسی اور ثقہ راوی نے بھی یہ حدیث ابن سیرین سے نقل کی ہو ہم سمجھ لیں گے کہ اس حدیث کے لیے اصل ہے اور اس کی طرف رجوع کیا جائے گا ۲۔ اور اگر کسی اور ثقہ راوی نے اس روایت کو ابن سرین سے نقل نہ کیا ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر ابن سیرین کے علاوہ کسی اور ثقہ راوی نے حضرت ابو ھریرہ سے اس روایت کو نقل کیا ہو

۳۔ یا حضرت ابو ہریرہ کے علاوہ کسی دوسرے صحابی رسول سے اس روایت کو نقل کیا ہو تو تب بھی یہ سمجھا جائے گا کہ اس روایت کی اصل ہے اور اس کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اگر مذکورہ بالا تین صورتوں میں کوئی بھی صورت نہ پائی جائے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔

سوال نمبر75۔ محدثین کی اصطلاح میں متابعت سے کیا مراد ہے؟ نیز اس کی اقسام واضح کریں۔

لغوی طور پر یہ موافقت کا معنی دیتا ہے۔ اصطلاحی طور پر ایک راوی کا روایت بیان کرنے میں کسی دوسرے راوی کے ساتھ شریک ہونا، متابعت کہلاتا ہے۔

پھر اس کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ **متابعت تامہ:** ایک ہی صحابی کی بیان کردہ روایت میں شروع سے لے کر آخر تک شریک ہونے کا نام متابعت تامہ ہے۔

۲۔ **متابعت قاصرہ:** ایک ہی صحابی کی بیان کردہ حدیث میں درمیان سند سے شرکت کرنے کو متابعت قاصرہ کہتے ہیں

سوال نمبر76۔ متابعت کے باب میں اگر ایسے راوی کی روایت داخل ہو جائے جو قابل استدلال نہ ہو تو ایسے کا کیا حکم ہے؟

آپ یہ بھی جان لیں کہ متابعت اور استشہار کے باب میں بعض اوقات ایسے راوی کی روایت بھی داخل ہو جاتی ہے جس کی منفرد روایت قابل استدلال نہیں ہوتی اور اس راوی کو ضعیف راویوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی کتابوں بخاری و مسلم میں شواہد اور متابعات میں ضعیف راویوں کو بڑی تعداد میں ذکر کیا ہے۔ ہر ایک ضعیف راوی اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کی روایت متابع اور شاہد کے طور پر پیش کی جاسکے یہی وجہ ہے کہ امام دار قطنی وغیرہ ضعیف راویوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ (**فلان یعتبر بہ وفلان لا یعتبر بہ**) یعنی اس باب میں فلاں راوی کو معتبر سمجھا جاتا ہے اور فلاں راوی کو معتبر نہیں سمجھا جاتا۔ البتہ ایسی رویت بطور استدلال تو نہیں بطور استشہاد پیش کی جاسکتی ہے۔

سوال نمبر77۔ شاھد کسے کہتے ہیں؟

کسی دوسرے صحابی کی بیان کردہ حدیث میں لفظی اور معنوی یا صرف معنوی طور پر شرکت کرنے کو شاہد کہا جاتا ہے۔ اگر مذکورہ اقسام میں کسی قسم کی شرکت نہ ہو تو اسے تفرد مطلق کہتے ہیں اب ان امور کی ایک مثال سے وضاحت کرتے ہیں امام شافعی نے کتاب الام میں ایک حدیث بیان کی ہے **عن مالك عن عبد الله بن دينار عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال الشهر تسع وعشرون فلا تصوموا حتى ترو الهلال ولا تفطروا حتى تروه فان غم عليكم فاكملوا العدة ثلاثين** بعض محدثین نے اسے تفرد مطلق قرار دیا ہے لیکن جب ہم نے اس روایت کے طرق تلاش یعنی اعتبار سے کام لیا تو اسکے متابع اور شواہد دستیاب ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے

متابعت تامہ: امام بخاری نے اس سند کے ساتھ اس حدیث کو بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: **فان غم عليكم فاكملوا العدة ثلاثين**

متابعت قاصرہ: ابن خزیمہ نے درمیان سند میں شرکت کر کے اس صحابی سے یہ رویت بیان کی ہے۔

شاہد: امام نسائی نے ابن عباس سے اس حدیث کو بیان کیا ہے اس اعتبار سے معلوم ہوا کہ روایت مذکورہ میں تفرد نہیں ہے بلکہ اس کے متابع اور شواہد بھی موجود ہیں۔

النوع السادس عشر معرفة زيادات الثقات وحكمها

سوال نمبر78۔ زیادات الثقات سے کیا مراد ہے؟ اور اس کا حکم کیا ہے؟

محدثین کرام کے ہاں اس سے مراد ثقہ راویوں کے وہ زائد الفاظ ہیں جو بعض روایات میں بیان ہوئے ہیں اور جن سے فقہی احکام اخذ کئے جاتے ہیں اس سے مراد صحابہ کرام سے مروی اضافے نہیں کیونکہ ان کے اضافوں کو قبول کرنے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

زیادات کی دو اقسام ہیں

زیادۃ فی المتن: متن حدیث میں کسی لفظ یا جملہ کا اضافہ کرتا۔

زیادۃ فی السند: سند میں اس طرح اضافہ کرنا کہ موقوف روایت کو مرفوع کر دینا اور مرسل روایت کو موصول بیان کرنا۔

زیادات الثقات کا حکم: متن میں اضافہ کو قبول کرنے یا رد کرنے کے متعلق محدثین کے ہاں تین اقوال ہیں

۱۔ مطلق طور پر قبول ہو گا۔ ۲۔ مطلق طور پر مردود ہو گا۔ ۳۔ اگر ایک ہی راوی بھی اضافے کے ساتھ روایت بیان کرتا ہے اور بھی اضافے کے بغیر بیان کرتا ہے اس طرح کا اضافہ مسترد ہو گا اور اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا لوی اضافہ بیان کرتا ہے تو اسے قبول کیا جائے گا۔

سوال نمبر79۔ ابن الصلاح نے متن میں پائے جانے والے اضافوں کی کتنی اقسام بیان کی ہیں؟

ابن اصلاح نے اضافوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

۱۔ ایسا اضافہ جو دوسرے ثقہ راویوں کی بیان کردہ روایت کے منافی ہو اس قسم کا اضافہ شاذ کہلاتا ہے جو قابل قبول نہیں ہے۔

۲۔ ایسا اضافہ جو دوسرے ثقہ راویوں کی بیان کردہ روایت کے خلاف نہیں اس قسم کا اضافہ ایک زائد علم رکھتا ہے جو قبول کیا جائے گا۔

۳۔ ایسا اضافہ جو مذکورہ دونوں اقسام کے بین بین ہے یعنی ایک لحاظ سے تو مخالفت پائی جاتی ہے لیکن اگر دوسرے انداز سے دیکھا جائے تو کوئی مخالفت نہیں مثلاً ایک روایت مطلق بیان ہوئی ہے تو کسی اضافے سے اس کو مقید کر دیا جائے یا ایک روایت عام ہے تو اضافے سے اس کے عموم کو خاص کر دیا جائے۔ اس قسم کے اضافے کو امام شافعی اور مالک تو قبول کرتے ہیں جب کہ امام ابو حنیفہ قبول نہیں کرتے۔

سوال نمبر 80۔ ابن الصلاح نے سند میں پائے جانے والے اضافوں کی کتنی اقسام بیان کی ہیں؟

سند میں پائے جانے والے اضافے کے متعلق محدثین کے ہاں چار اقوال ہیں۔

- جو موصول یا مرفوع بیان کرتا ہے اس کی روایت قبول ہو گی یعنی اضافہ قبول ہو گا
- مرسل یا موقوف بیان کرنے والے کی روایت قبول ہو گی یعنی اضافہ قبول نہیں ہو گا۔
- اکثریت کے پیش نظر فیصلہ ہو گا اگر موقوف یا مرسل بیان کرنے والے زیادہ ہیں تو ترجیح انہی کو دی جائے گی۔
- زیادہ حافظہ اور ضابطہ رکھنے والے کے بیان کے مطابق فیصلہ ہو گا جیسا کہ لا نکاح الأبولی اس روایت کو سفیان ثوری اور شعبہ نے مرسل بیان کیا ہے جبکہ اسرائیل نے اسے موصول بیان کیا ہے تو فیصلہ موصول بیان کرنے والے کے حق میں ہو گا۔

النوع السابع عشر معرفة الافراد

سوال نمبر 81۔ افراد کی تعریف کرتے ہوئے واضح کریں کہ افراد کی کتنی اور کونسی اقسام ہیں؟

افراد کی تعریف: حدیث بیان کرتے وقت دوران سند اگر کہیں ایک ہی راوی رہ جائے تو اسے فرد یا متفرد کہیں گے۔

اس کی دو اقسام ہیں۔ **۱۔ فرد مطلق:** یعنی راویان حدیث میں سے کوئی راوی حدیث بیان کرنے میں منفرد ہو جیسا کہ انما الاعمال بالنیات میں حضرت عمر ہے اس کے بیان کرنے میں اکیلے ہیں

۲۔ فرد نسبی: جس روایت میں مطلق طور پر تفرد نہ ہو بلکہ کسی خاص جہت کی نسبت سے تفرد پایا جائے۔ اس کی چند ایک انواع ہیں۔

الف۔ ایک خاص راوی کسی خاص راوی سے بیان کرنے میں منفرد ہو۔ مثلاً یوں کیا جائے کہ فلان عن فلان

با۔ راوی کسی خاص شہر والے راوی سے بیان کرنے میں منفرد ہو مثلاً اهل مكة من فلان

ج۔ کسی خاص شہر والے دوسرے شہر والوں سے بیان کرنے میں منفرد ہوں مثلاً اهل الشام عن اهل الحجاز، بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تفرد کی نسبت تمام شہر والوں کی طرف ہوتی ہے لیکن بیان کرنے والا صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ یہ نسبت مجازی طور پر ہوتی ہے جیسے حدیث میں ہے نهى عن قيل وقال اس کے متعلق ہے کہ تفرد به البصريون عن الكوفيين حالانکہ اس کو اہل بصرہ سے بیان کرنے والا صرف خالد الحذاء ہے اور وہ ایک ہے، مجازاً اس کے تفرد کی نسبت تمام اہل بصرہ کی طرف کر دی گئی ہے۔

النوع الثامن عشر معرفة الحديث المعلل

سوال نمبر 82۔ معلل کی تعریف کریں اور واضح کریں کہ اس میں بنیادی طور پر کتنی چیزیں ہونی چاہیے؟

لغوی طور پر اعل کا اسم مفعول ہے اور اسے معلل کرنا غیر معروف علت ہے بلکہ اس لفظ کو معل پڑھنا زیادہ صحیح ہے بعض محدثین اسے معلول بھی کہتے ہیں۔ جو اہل زبان کے نزدیک انتہائی کمزور ہے کیونکہ رباعی فعل کا اسم مفعول اس وزن پر نہیں آتا۔

اصطلاح محدثین میں معلل وہ حدیث ہوتی ہے جس میں کوئی ایک ایسی پوشیدہ علت پائی جائے جو حدیث کی صحت پر اثر انداز ہو اور

اس حدیث کا ظاہری پہلو بالکل صحیح سالم ہو۔

معلل حدیث میں دو بنیاری چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ۱۔ پوشیدگی ۲۔ صحت حدیث پر اثر انداز ہونا۔

اگر یہ دونوں بیک وقت نہ پائے جائیں تو حدیث معلل نہ ہوگی بعض محدثین نے اس اصطلاحی معنی کے علاوہ بھی علت کا استعمال کیا ہے اگر چہ وہ علت پوشیدہ اور اثر انداز نہیں ہوتی مثلاً راوی کا جھوٹا ہونا یا اس کا غفلت شعار ہونا یا اس کے حافظے میں کسی خرابی کا ہونا یہاں تک کہ امام ترمذی نے شیخ پر علت کا لفظ استعمال کیا ہے بعض دفعہ ثقہ راویوں کی موصول بیان کی ہوئی روایت کو اگر مرسل بیان کر دیا جائے تو اس پر بھی علت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

سوال نمبر 83۔ علت حدیث کو پہچانے کا طریقہ لکھیں۔

علت کو بچانے کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث کے تمام طرق کو جمع کیا جائے اور ان کے لفظی اختلاف پر نظر رکھی جائے اور راویوں کے ضبط وحفظ کا باہمی موازنہ کرتے ہوئے دیکھا جائے کہ کونسا راوی کسی لفظ کے بیان کرنے میں منفرد ہے اور اس کی ذاتی حیثیت کیسی ہے؟ کہیں اس راوی نے موصول حدیث کو مرسل یا مرفوع کو موقوف تو نہیں کر دیا یا کسی ایک حدیث کے لفظ کو دوسری حدیث میں داخل تو نہیں کر دیا۔

سوال نمبر 84۔ علت کہاں کہاں پائی جاتی ہے؟

۱۔ بعض دفعہ علت سند میں پائی جاتی ہے اور یہ عام ہے اس طرح کی علت کبھی تو متن اور سند دونوں پر اثر انداز ہوتی ہے اور کبھی یہ علت سند پر تو اثر انداز ہوتی ہے لیکن متن کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۲۔ بعض واقعہ علت متن میں پائی جاتی ہے اور ایسا بہت کم ہوتا ہے مثلاً نماز میں قرآت کے وقت بسم اللہ نہ پڑھنے کی حدیث ہے۔

النوع التاسع عشر معرفة المضطرب

سوال نمبر 85۔ مضطرب حدیث کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کریں۔ اور اضطراب کی شروط لکھیں۔

لغوی طور پر یہ اضطرب کا اسم فاعل ہے جس کا معنی کسی نظام کا خراب ہونا ہے محدثین کی اصطلاح میں وہ حدیث ہے مضطرب ہوتی ہے جو ایسے مختلف طرق سے مروی ہو جو قوت کے لحاظ سے برابر ہوں اور ان کے درمیان تطبیق کی کوئی صورت نہ ہو اور نہ ہی کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی گنجائش ہو۔

اضطراب کیلئے دو شرائط کا ہونا ضرور کی ہے۔ ۱۔ اختلاف روایات اس انداز سے ہوں کہ ان کے درمیان تطبیق نہ دی جاسکے۔

۲۔ قوت کے لحاظ سے دو روایات ایسی ہم پلہ ہوں کہ ایک روایت کو دوسری پر ترجیح نہ دی جاسکے۔ اگر ترجیح یا تعلیق کی کوئی صورت پیدا ہو جائے تو اضطراب ختم ہو جاتا ہے ترجیح کی صورت میں راجح حدیث پر عمل ہوگا اور تطبیق کی صورت میں تمام روایات قابل عمل ہوں گی۔

سوال نمبر 86۔ اضطراب کی کتنی اقسام ہیں؟

۱۔ یہ اضطراب کبھی تو سند میں ہوتا ہے اکثر ہی ہوتا ہے مثلاً **شیبتنی هودا خوا** تھا۔ اس حدیث کو ابو اسحاق سے مختلف طرق سے بیان کیا گیا ہے سند کا یہ ایسا اختلاف ہے کہ ان کے درمیان ترجیح کی کوئی صورت نہیں۔

۲۔ کبھی یہ اضطراب متن میں ہوتا ہے مثلاً حدیث میں ہے **ان فی المال حقاً سوی الزکوۃ** اور ابن ماجہ کی ایک روایت ہے **لیس فی المال حق سوی الزکوۃ**، یہ ایک ایسا اضطراب ہے جسے کسی صورت میں حل نہیں کیا جاسکتا۔

نوٹ: بعض دفعہ ایک راوی میں اضطراب ہوتا ہے کہ وہ مختلف انداز سے ایک روایت کو بیان کرتا ہے اور کبھی کبھی ایک جماعت حدیث میں اضطراب کا باعث بنتی ہے۔ مضطرب روایت کے ضعیف ہونے کا سبب یہ ہے کہ راوی پوری طرح اس روایت کو یاد نہیں رکھ سکا اس کی قوت یاداشت میں خلل آنے کی بنائی پر اسے ضعیف کہا جاتا ہے۔

النوع العشرون معرفة المدرج في الحديث

سوال نمبر87:۔ ادراج کی تعریف کریں، اس کے اسباب اور حکم پر روشنی ڈالیں نیز بتائیں کہ ادراج کیسے معلوم ہوتا ہے؟

لغوی طور پر اس کا معنی کسی چیز کو دوسری چیز میں داخل کرتا ہے اصطلاح میں سند کا سیاق بدل جانا یا متن حدیث میں بلا تعین اضافی الفاظ داخل ہو جانا ادراج کہلاتا ہے۔ اور جس حدیث میں ادراج پایا جائے اسے مدرج کہتے ہیں۔

ادراج کے اسباب

احادیث میں ادراج کے کئی اسباب ہیں ان میں مشہور تین ہیں:

۱۔ حدیث میں وارد کسی مشکل لفظ کی توضیح ۲۔ کسی شرعی حکم کا بیان ۳۔ حدیث مکمل ہونے سے پہلے کسی شرعی مسئلہ کا استنباط

ادراج کا حکم

تمام محدثین اور فقہاء کا اجماع ہے کہ احادیث رسول ﷺ میں ادراج حرام ہے۔ تاہم تفسیری کلمات کو دوران حدیث بیان کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ امام زہری توضیحی کلمات کو احادیث کے درمیان بیان کر دیا کرتے تھے۔

ادراج معلوم کرنے کا طریقہ

محدثین کے ہاں متن حدیث میں اضافہ شدہ حصہ معلوم کرنے کے کئی ایک طریقے ہیں مثلا

۱۔ کسی دوسری روایت میں زائد الفاظ متعین طور پر الگ ذکر ہوں۔ ۲۔ کوئی تجربہ کار محدث ان کی نشان دہی کر دے۔

۳۔ کوئی راوی از خود اقرار کرے کہ فلاں الفاظ متن حدیث کے نہیں ہیں۔

سوال نمبر88۔ مدرج کی اقسام پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔؟

مدرج کی دو اقسام ہیں۔ مدرج المتن مدرج الاسناد

۱۔ مدرج الاسناد:۔ وہ روایت جس کی سند کا سیاق بدل جائے۔ اس کی مندرجہ ذیل چار صورتیں ہیں:

۱۔ ایک حدیث کو مختلف راوی اپنی اپنی سند سے بیان کرتے ہوں مگر کوئی راوی اسے ایک ہی سند سے بیان کر دے۔ اور ان مختلف اسانید کا فرق نمایاں نہ کرے مثلا امام ترمذی نے ایک حدیث کو بروایت **محمد بن كثير العبدي عن سفيان الثوري عن واصل و منصور والأعمش عن أبي وائل عن عمرو بن شرجيل عن عبد الله** بیان کیا ہے جبکہ واصل کی سند میں عمرو بن شرجیل کا واسطہ نہیں ہے بلکہ اس نے واسطہ ابی وائل عن عبد اللہ اس روایت کو بیان کیا ہے۔

۲۔ کسی شیخ کے پاس ایک حدیث کے متن کا کچھ حصہ ہوں۔ جبکہ باقی ماندہ متن کسی اور واسطہ سے مروی ہو مگر شاگرد پہلی سند سے ہی پوری حدیث بیان کر دے۔ مثلا ایک حدیث میں حضرت وائل بن حجر حد سے نماز نبوی کا طریقہ بیان ہوا ہے۔ جس کے آخر میں ہے کہ جب سخت سردی کے دنوں میں دوبارہ آئے تو صحابہ نے سردی کے کپڑے اوڑھ، کھے تھے اور وہ کپڑوں کے نیچے سے رفع الیدین کرتے تھے۔ اس حدیث کو سفیان بن عیینہ اور زائد بن قدامہ نے بواسطہ **عاصم بن كليب عن أبيه عن وائل بن حجر** بیان کیا ہے جبکہ دوبارہ آنے کا ذکر بواسطہ **عاصم عن عبد الجبار بن وائل عن بعض أهله عن وائل بن حجر** مروی ہے۔

۳ ۔ راوی کے پاس حدیث کے دو متن ہوں اور ہر متن کی سند بھی الگ الگ ہو مگر روایت کرتے وقت کسی ایک متن کو اس کی سند سے بیان کر دے۔ اور دوسری سند سے مروی الفاظ کو اس میں شامل کر دے مثلا ایک حدیث بواسطہ **سعيد بن أبي مريم عن مالك عن الزهري عن انس** بایں الفاظ مروی ہے:

لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدبروا ولا تنافسوا اس حدیث میں "ولا تنافسوا کے الفاظ مذکورہ سند کے ساتھ بیان میں ہوتے بلکہ وہ بواسطہ ابن ابی مریم عن مالك عن أبي الزناد عن ابی ہریرۃ مروی ہیں۔

۴۔ ایک راوی کسی حدیث کی سند بیان کرتا ہے اس دوران اسے کوئی حادثہ پیش آیا تو اس نے اپنی طرف سے چند الفاظ بیان کر دیے۔ سامعین میں سے کوئی اس کے ذاتی الفاظ کو حدیث بنا کر بیان کرنا شروع کر دے۔ مثلاً محدث شریک بن عبد اللہ قاضی کسی مجلس میں حدیث لکھوا رہے تھے ایک سند بیان کرنے کے بعد ایک مشہور بزرگ حضرت ثابت بن موسیٰ سامنے آگئے تو قاضی شریک نے انہیں دیکھ کر فرمایا:۔ من كثرت صلوته بالليل حسن وجهه بالنهار حضرت ثابت نے خیال کیا کہ یہ الفاظ حدیث کا متن ہیں انہوں نے حدیث کی بیان کی ہوئی سند کے ساتھ ان الفاظ کو ملا کر روایت کرنا شروع کر دیا۔

۲۔ مدرج المتن: متن میں کسی ایک چیز کا داخل ہو جانا جو اس کا جزو نہ ہو۔ اسکی تین اقسام ہیں۔

الف۔ حدیث کے آغاز میں اوراج آجائے اور یہ بہت کم ہوتا ہے مثلاً اسبغوا الوضو ویل للاعقاب من النار اَن حدیث میں اسبغو الوضو ابو ھریرہ کے الفاظ ہیں جو حدیث کا حصہ معلوم ہوتے ہیں۔

دوران حدیث کوئی لفظ متن کا حصہ بن جائے ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے مثلاً حدیث میں ہے:۔ كان النبي يتحنث في غار حراء وهو التعبد الليالي ذوات العدد اس روایت میں وھو التعبد کے الفاظ مدرج ہیں جو امام زہری نے "یتحنث کی وضاحت کے طور پر ذکر کئے ہیں۔

حدیث کے آخر میں کوئی لفظ مدرج ہو جائے اور یہ بہت ہوتا ہے مثلاً تشہد کی حدیث کے آخر میں یہ الفاظ آتے ہیں: "فاذا قلت هذا فقد قضيت صلاتك یہ الفاظ متن کا حصہ نہیں ہیں بلکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود راوی حدیث کے اپنے الفاظ ہیں جو متن کے ساتھ مل گئے ہیں۔

النوع الحادی والعشرون معرفة الموضوع

سوال نمبر 89۔ موضوع حدیث کسے کہتے ہیں؟ اس کا مقام و حکم بیان کریں۔

لغوی طور پر یہ لفظ رتبہ اور مقام کے لحاظ سے انتہائی نیچے اور گری ہوئی چیز پر بولا جاتا ہے محدثین کی اصطلاح میں وہ جھوٹی خود ساختہ اور مصنوعی بات جسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو حدیث موضوع کہلاتی ہے۔

مقام و مرتبہ۔ ضعیف احادیث میں مذکورہ قسم نہایت قبیح اور بری شمار ہوتی ہے کیونکہ اس میں کوئی راوی ایسا ہوتا ہے جو رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولتا ہے اور من گھڑت باتیں ان کی طرف منسوب کرتا ہے۔ بعض علماء اسے ضعیف احادیث کی قسم شمار کرنے کی بجائے اسے مستقل ایک الگ قسم قرار دیتے ہیں۔

حکم۔ علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ موضوع راویت کو حقیقت حال کی وضاحت کے لئے تو بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے بیان کرنا جائز نہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مجھ سے کوئی حدیث نقل کرے اور وہ جانتا ہو کہ یہ جھوٹ ہے تو یہ بیان کرنے والا بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

سوال نمبر 90۔ وضاعین کے طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے بتائیں کہ موضوع حدیث کی شناخت کیسے ہو سکتی ہے؟

ان کا طریقہ واردات بالعموم دو طرح سے ہوتا ہے

ا۔ بعض اوقات کوئی شخص بہترین کلام اپنی طرف سے بنا کر کسی خود ساختہ سند کے ذریعہ اسے بیان کر دیتا ہے۔

۲۔ بعض اوقات حکماء میں سے کسی کی عمدہ بات لے کر کسی بناوٹی سند کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے نام سے بیان کر دیتا ہے۔

۳۔ بعض اوقات کسی غلطی کی بناء پر شبہ پڑ جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب کر دی جاتی جو آپ نے نہیں کہی ہوتی جیسا کہ مدرج حدیث کے بیان میں حضرت ثابت بن موسیٰ سے ایسا ہوا تھا۔

طریقہ شناخت: مندرجہ ذیل چار طریقوں سے موضوع حدیث کی شناخت ممکن ہے۔

ا۔ حدیث وضع کرنے والا خود اقرار کرے کہ میں نے فلاں فلاں احادیث وضع کر کے پھیلا دی ہیں۔ جیسا کہ ابن ابی مریم نے اقرار کیا تھا کہ میں نے ایک ایک سورت کی فضیات میں احادیث وضع کی ہیں۔

۲۔ اتفاقاً کسی کے منہ سے ایسی بات نکل جائے جو اسکے اقرار واعتراف کے قائم مقام ہو۔

۳۔ راوی میں ذاتی طور پر کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جو اس کی بیان کردہ روایت کے خود ساختہ ہونے پر واضح دلیل ہو۔

۴۔ خود روایت کے الفاظ اس کے موضوع ہونے پر دلیل ہوں مثلاً وہ انتہائی رکیک اور بودے پن پر مشتمل ہوں یا اس کا مفہوم عام محسوسات اور قرآن کریم کے خلاف ہو

النوع الثانی والعشرون معرفة المقلوب

سوال نمبر 91۔ حدیث مقلوب کی تعریف اور اقسام بیان کریں۔

مقلوب کا لغوی معنی کسی چیز کو اس کی پہلی حالت سے بدل دینا ہے دیتا ہے، محدثین کی اصطلاح میں کسی حدیث کی سند یا متن کے ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل دینا اور ان میں تقدیم وتاخیر کرنا مقلوب کہلاتا ہے۔

حدیث مقلوب کی اقسام: مقلوب کی دو اقسام ہیں: ا- مقلوب السند ۲- مقلوب المتن

ا۔ مقلوب السند: اس سے مراد وہ حدیث ہے جس کی سند میں کوئی تبدیلی ہو جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

الف۔ حدیث بیان کرنے والا کسی راوی کے نام ونسب میں تبدیلی کر دے مثلاً ایک راوی کا نام کعب بن مرہ ہے اسے مرۃ بن کعب بنا دے۔

ب۔ روایت میں غرابت یا انفرادیت پیدا کرنے کے لئے ایک راوی کے نام کو کسی دوسرے راوی کے نام سے بدل دے۔ مثلاً ایک حدیث حضرت سالم کی روایت سے مشہور ہے مگر بیان کرنے والا اسے حضرت نافع سے بیان کرے۔

۲۔ مقلوب المتن: ایسی روایت جس کے متن کے الفاظ میں کوئی تبدیلی کر دی گئی ہو اس کی بھی دو صورتیں ہیں

الف۔ راوی متن حدیث کے الفاظ کو آگے پیچھے کر کے بیان کر دے مثلاً حتی لا تعلم شماله ما انفق یمینه کو حتی لا تعلم یمینه ما انفق شماله کر دے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں یمین وشمال کے الفاظ میں قلب واقع ہوا ہے۔

ب۔ راوی ایک حدیث کے متن کو کسی دوسری حدیث کی سند کے ساتھ اور اس کی سند کو کسی دوسری حدیث کے متن کے ساتھ لگا ہے۔ جیسا کہ اہل بغداد نے امام بخاری کا امتحان لینے کے لئے ایک سو احادیث کے اسانید ومتون ایک دوسرے میں ملا کر امام صاحب کے سامنے پیش کئے تھے۔

سوال نمبر 92۔ حدیث مقلوب کے اسباب اور حکم پر روشنی ڈالیں۔

عام طور پر اس کے درج ذیل تین اسباب ہیں: ا۔ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کیلئے روایت میں غرابت وانفرادیت پیدا کرتا۔

۲۔ کسی محدث کا امتحان اور اس کے حفظ واتقان کا جائزہ لینا۔ ۳۔ غلطی اور نسیان کی وجہ سے سہواً کسی راوی کا اس میں مبتلا ہو جاتا۔

حدیث مقلوب کا حکم

روایت میں انفرادیت پیدا کرنے کی غرض سے ایسا کرنا حرام اور ناجائز ہے تاہم کسی کا امتحان لینے کے لئے ایسا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن مجلس کے برخاست ہونے سے پہلے پہلے اس کی وضاحت کرنا ضروری ہے اگر یہ قلب خطاونسیان کا نتیجہ ہے تو اس کا مرتکب معذور سمجھا جائے گا۔ اگر ایسا فعل بار بار سرزد ہوتا ہے تو یہ غیر ضابط ہونے کی علامت ہے ایسے شخص کی بیان کردہ مقلوب روایت ضعیف ومردود ہوگی۔

سوال نمبر 93۔ کسی راوی کے قابل قبول ہونے کی کیا شرائط ہیں؟ تفصیل سے بیان کریں نیز اس کے متعلق علامہ ان عبدالبر کی رائے ذکر کر کے اس پر تبصرہ کریں۔

ائمہ حدیث اور فقہاء عظام کا فیصلہ ہے کہ راوی حدیث کی قبولیت کے لئے بنیادی طور پر دو شرطیں لازمی ہیں:

۱۔ العدالۃ: اس سے مراد یہ ہے کہ راوی مسلمان عاقل اور بالغ ہو، اسباب فسق سے محفوظ اسلامی آداب کا پابند، اخلاق ومروت کا خوگر اور مذکورہ جملہ امور کی خلاف ورزی سے اجتناب کرے۔ کسی راوی کے متعلق مندرجہ ذیل امور میں سے کسی ایک ذریعے اس کے عادل ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

الف۔ علماء جرح وتعدیل کی ایک جماعت یا کم از کم کوئی ایک اس کے عادل ہونے کی شہادت دے اور اس کی تصریح کرے۔

ب۔ اہل علم میں اس کی اچھی شہرت ہو۔ چنانچہ جو شخص اہل بصیرت میں اچھی شہرت کا حامل ہو اور ان کے حلقہ میں اس کی تعریف کی جاتی ہو تو اس کی عدالت کے لئے کسی مزید شہادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ مثلاً امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی امام احمد بن حنبل، حضرت سفیان ثوری، حضرت سفیان بن عیینہ اور حضرت امام اوزاعی رحمھم اللہ اجمعین وغیرہم۔

۲۔ الضبط: اس سے مراد یہ ہے کہ راوی اپنے حافظہ میں مضبوط ہو اس کے حافظہ میں کوئی سقم نہ پایا جاتا ہو۔ نیز دیگر قابل اعتماد ثقہ راویوں کی مخالفت نہ کرتا ہو اس کے علاوہ جھوٹا، غفلت شعار، غلط گو اور بہت زیادہ اوہام کا شکار نہ ہوتا ہو۔ کسی راوی کے حفظ وضبط کو معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اکثر حالات میں دیگر ثقات اور معتمد رواۃ کی مخالفت نہ کرے۔ تھوڑی بہت اور معمولی سی مخالفت چنداں نقصان دہ نہیں ہے۔ اگر مخالفت بہت زیادہ ہو تو یہ صورت اس کے حفظ وضبط میں خلل کا باعث ہوگی اور ایسا راوی ناقابل اعتبار ہوگا۔

کسی شخص کے عادل ہونے کے متعلق علامہ ابن عبدالبر کا مسلک یہ ہے کہ ہر صاحب علم جو علمی مشاغل کی وجہ سے اچھی شہرت کا حامل ہو۔ اسے عادل سمجھا جائے اگر اس کے متعلق کوئی جرح ثابت ہو تو اسے مرتبہ عدالت سے نیچے کیا جاسکتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث نبوی ہے کہ اس علم دین کو ہر نسل کے عادل افراد حاصل کرتے رہیں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی تحریفات، جہالت پیشہ لوگوں کی تاویلات اور باطل پرستوں کے دعووں کے تار وپود بکھیرتے رہیں گے۔ مگر محدثین عظام نے علامہ موصوف کی رائے سے اتفاق نہیں کیا ہے۔ جس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مذکورہ حدیث کی استنادی حیثیت انتہائی کمزور ہے، اس کی تمام سندوں میں سے کوئی بھی ثابت شدہ نہیں ہے۔

۲۔ اگر صحیح بھی ہو تو اس کا مفہوم ترغیب دار شاد کا ہے معنی یہ ہے کہ ہر نسل سے عادل افراد کو علم دین حاصل کرنا چاہئے۔

۳۔ حقیقت واقعہ بھی اس کے خلاف ہے کہ بہت سے علماء دین ایسے ہیں جو صفت عدالت سے بالکل عاری ہیں ں بلکہ ان کا شہر علماء سوء میں ہوتا ہے۔ لہذا علامہ موصوف کی رائے سے علی الاطلاق اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔

النوع الثالث والعشرون معرفة صفة مَنْ تُقْبَلُ روايته ومن ترد روايته

سوال نمبر94۔ مندرجہ ذیل عبارت کی تشریح کریں: التعديل مقبول من غير ذكر سببه واما الجرح فانه لا يقبل الا مفسرا مبين السبب.

اس عبارت میں محدث ان اصلاح نے محدثین کے ایک عظیم قاعدہ کو بیان کیا ہے کہ کسی راوی کی تعدیل اس کا سبب یا تفصیل بیان کئے بغیر ہی مقبول ہوتی ہے۔ محدثین کا صحیح اور مشہور مذہب یہی ہے۔ کیونکہ تعدیل کے اسباب بہت زیادہ ہوتے ہیں جن کا شمار کرنا بہت گرانی کا باعث ہے۔ مثلاً کسی کے متعلق بایں الفاظ تبصرہ کرنا ہوگا کہ فلاں نے ایسا نہیں کیا اور ایسا نہیں کیا یا وہ اس طرح کرتا ہے وغیرہ۔ مگر جرح کے متعلق اصول و قاعدہ یہی ہے کہ وہ مفسر ہی قابل قبول ہوتی ہے جس میں اس جرح کا سبب بھی بیان کیا جائے۔ کیونکہ اس کا سبب بیان کرنا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔

نیز جرح کے اسباب بھی لوگوں کی نگاہوں میں کئی طرح کے ہوتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی راوی کو اپنے گمان کے مطابق کسی سب کی بناء پر مجروح قرار دیتا ہے۔ حالانکہ در حقیقت وہ سبب باعث جرح نہیں ہوتا کہ علامہ خطیب بعدادی نے اپنی کتاب " الكفاية في علم الرواية " میں مستقل ایک عنوان قائم کیا ہے کہ بعض اسباب ایسے ہیں جو راوی میں جرح کا باعث نہیں ہیں۔ مثلاً شعبہ کے متعلق لکھا ہے کہ اسے پوچھا گیا تو نے فلاں راوی کی احادیث کو کیوں ترک کر دیا اس نے جواب دیا کہ وہ بچوں کی طرح گھوڑے کو ایڑی لگاتا تھا اس لئے میں نے اس کی احادیث کو ترک کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ ایک شخصی میلان ہے جو ترک حدیث کا باعث نہیں ہے اگر جرح کی تفصیل سامنے ہو تو راوی کے متعلق فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہی بات ظاہر اور اصول فقہ میں طے شدہ ہے اور ائمہ حدیث نیز ناقدین فن مثلاً بخاری اور مسلم وغیرہم کا مسلک ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں امام بخاری نے اپنی کتاب "الصحیح میں کچھ ایسے راویوں کی روایات کو بیان کیا ہے جن پر بعض ایسے اسباب کی بناء پر جرح کی گئی ہے جو در حقیقت جرح شمار ہی نہیں ہوتے۔ مثلاً حضرت عکرمہ مولی ابن عباس، اسماعیل بن اویس، عاصم بن علی اور عمرو بن مرزوق وغیرہم۔

امام مسلم نے بھی سوید بن سعید اور بعض دیگر راویوں کی روایات کو قبول کیا ہے حالانکہ ان پر جرح کی گئی ہے اور یہی اسلوب امام ابو داود کا ہے جو انہوں نے " سنن ابی داود میں اختیار کیا ہے۔ ان تمام حضرات کا طرز عمل اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ جرح اس وقت تک ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا سب واضح نہ کر دیا گیا ہو۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی راوی کے متعلق جرح اور تعدیل کے دونوں اقوال وارد ہوتے ہیں ایسے حالات میں معتمد قول یہ ہے کہ جرح اگر مفسر اور واضح ہو تو اسے ترجیح حاصل ہوگی۔ اگر اس کا سبب بیان نہیں کیا گیا تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر تعدیل بیان کرنے والوں کی تعداد جرح بیان کرنے والوں سے زیادہ ہو تو تعدیل راجح ہو گی مگر یہ قول غیر معتمد اور ضعیف ہے۔

سوال نمبر101۔ تعدیل کے کہتے ہیں؟ اس کے مراتب تفصیل سے بیان کریں۔

معتمد آئمہ سے راویوں کی عدالت اور ان کے حفظ واتقان کو بیان کرنا کسی راوی کی "تعدیل" کہا جاتا ہے۔ اس تعدیل کے کئی ایک مراتب ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: امام ابن ابی حاتم نے اپنی تصنیف "الجرح والتعدیل میں جرح و تعدیل کے چار مراتب بیان کئے ہیں۔ بعد میں آنے والے محدثین اور ماہرین فن نے ان میں دو مراتب کا اضافہ کیا اس طرح یہ کل چھ مراتب ہیں۔

ا۔ سب سے اونچا مرتبہ یہ ہے کہ کسی راوی کے متعلق ایسے الفاظ استعمال ہوں جو اس کے انتہائی لائق اعتماد اور قابل وثوق ہونے کا مفہوم ادا کریں جیسے فُلَانٌ إِلَيْهِ الْمُنْتَهٰى فِي التَّثَبُّتِ یعنی فلاں شخص پر حفظ واتقان کی انتہاء ہے۔ یا افعل تفصیل کے ذریعے اس کے لائق اعتبار ہونے کا اظہار کیا گیا ہو جیسے فُلَانٌ اَثْبَتُ النَّاسِ یعنی فلاں حفظ وضبط میں سب پر فائق ہے

۲۔ دوسرے مرتبہ میں وہ الفاظ ہیں جن میں توثیق کی دو صفات کو جمع کیا گیا ہو۔ جیسے فلان ثِقَةٌ ثَبَتٌ یا توثیق کی کسی صفت کو بغرض تاکید مکرر ذکر کیا گیا ہو جیسے فُلَانٌ ثِقَةٌ ثِقَةٌ

۳۔ تیسرے مرتبہ میں وہ الفاظ آتے ہیں جن میں توثیق کا بیان تاکید کے بغیر ایک ہی بار ہو۔ جیسے فُلَانٌ ثِقَةٌ وغیرہ

ان تینوں مراتب کے حامل رواۃ قابل حجت ہیں اگرچہ ان میں اولیت اور حجیت کا فرق ضرور ہے۔

۴۔ چوتھے مرتبہ میں وہ الفاظ آتے ہیں جن میں راوی کے حفظ واتقان کا اشارہ نہ ہو بلکہ صرف اسکی صداقت وامانت کو بیان کیا گیا ہو جیسے صَدُوْقٌ، لَا بَأْسَ، مَحَلُّهُ الصِّدْقُ وغیرہ

۵۔ پانچویں مرتبہ میں ایسے الفاظ آتے ہیں جن میں توثیق یا جرح کی نشاندہی نہ ہو مثلاً فُلَانٌ شَيْخٌ یا رَوٰى عَنْهُ النَّاسُ ان مراتب کے حاملین قابل حجت نہیں ہوتے تاہم ان کی روایات بغرض اختبار (امتحان) لکھی جاتی ہیں۔ اختبار کا مطلب یہ ہے کہ ان کے حفظ و ضبط کی بایں طور پڑتال کی جاتی ہے کہ ان کی روایات کا دیگر ثقہ اور ضابط راویوں کی روایات سے موازنہ کیا جاتا ہے۔ اگر اول الذکر راویوں کی روایات ثقہ راویوں کے مطابق ہوں تو قابل حجت سمجھی جاتی ہیں بصورت دیگر انہیں مسترد کر دیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ پانچویں مرتبہ والے چوتھے مرتبہ کی نسبت کمتر شمار ہوتے ہیں۔

۶۔ چھٹا مرتبہ ایسے الفاظ پر مشتمل ہے جو جرح کے قریب قریب ہوں جیسے فُلَانٌ يَكْتُبُ حَدِيْثَه یا فُلَان صَالِحُ الْحَدِيْث وغیرہ اس مرتبہ کے راوی بھی قابل حجت نہیں ہوتے مگر ان کی روایات کو اعتبار یعنی تائید واستشہاد کے لئے لکھا جاتا ہے۔ ان کی مرویات اختبار یعنی تحقیق وتفتیش کے قابل بھی نہیں ہوتیں کیونکہ ان کی حیثیت خفت ضبط کی وجہ سے بہت زیادہ کمزور ہوتی ہے۔

سوال نمبر102۔ جرح سے کیا مراد ہے؟ اس کے مراتب مع بیان حکم تحریر کریں۔

جرح وتعدیل کی کتابوں میں بعض راویوں پر ان کی عدالت وثقاہت سے متعلق اعتراضات بھی نقل ہوئے ہیں اور ان کے حفظ وضبط کی کمزوری کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق اس قسم کی تمام باتیں غیر منتصب ائمہ کرام سے منقول ہیں۔ چنانچہ کسی شخصیت کا یہ کمزور پہلو اس پر جرح کہلاتا ہے یہ انداز گفتگو غیبت کے ضمن میں نہیں آتا۔ کیونکہ حفاظت حدیث کے لئے یہ انتہائی ناگزیر مرحلہ تھا۔

مراتب جرح: تعدیل کی طرح جرح کے بھی چھ مراتب ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ وہ الفاظ جو کسی راوی کے حفظ واتقان میں کمزور ہونے کا مفہوم ادا کرتے ہیں اور یہ مرتبہ دیگر تمام مراتب سے ہلکا ہے۔ مثلاً فُلَانٌ لَيِّنُ الْحَدِيْث یعنی فلاں کی بیان کردہ احادیث ذرا کمزور ہوتی ہیں یا فِيْهِ مَقَالٌ یعنی اس راوی پر کچھ اعتراض ہے۔

۲۔ دوسرا مرتب ان الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے جو کسی راوی کے عدم حجت پر دلالت کرتے ہوں۔ مِثْلُ لَا يُحْتَجُّ بِه یا فُلَانٌ ضَعِيْف یا لَهُ مَنَاكِيْرُ وغیرہ ان دو مراتب کے حاملین کی روایات قابل حجت تو نہیں ہوتیں مگر اعتبار یعنی تائید واستشہاد کے لئے لکھی جاتی ہیں اور اس میں دوسرے مرتبہ کا راوی پہلے مرتبہ کے راوی کی نسبت کم تر ہوتا ہے۔

۳۔ تیسرے مرتبہ میں وہ الفاظ آتے ہیں جو راوی کی روایات کے ناقابل کتابت ہونے پر دلالت کرتے ہوں مثلاً فُلَانٌ لَا يُكْتَبُ حَدِيْثُه، لَا تَحِلُّ الرِوَايَةُ عَنْهُ، رَوَاهُ بِمَرَّةٍ، ضَعِيْفٌ جِدًّا وغیرہ چوتھا مرتبہ ایسے الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے جن میں کذب وافتراء کا اتہام ہوتا ہے مثلاً مُتَّهَمٌ بِالْكَذِبِ، مُتَّهَمٌ بِالْوَضْعِ، يَسْرِقُ الْحَدِيْثَ، سَاقِطٌ، مَتْرُوْكٌ، لَيْسَ بِثِقَةٍ وغیرہ

۵۔ پانچواں مرتبہ ایسے الفاظ کا ہے جن میں جھوٹ وغیرہ کی صراحت ہوتی ہے مثلاً كَذَّابٌ، دَجَّالٌ، وَضَّاعٌ، يَضَعُ، يَكْذِبُ

۶۔ چھٹے مرتبہ میں ایسے الفاظ آتے ہیں جن میں راوی کے انتہائی چھوٹے ہونے کا بیان ہوتا ہے یہ مرتبہ دیگر مراتب سے زیادہ سنگین

اور برا ہوتا ہے مثلاً فُلَانٌ اَکْذَبُ النَّاسِ، اِلَیْہِ الْمُنْتَھٰی فِی الْکَذِبِ، ھُوَ رُکْنُ الْکَذِبِ وغیرہ ان آخری چار مراتب کے راویوں کی روایات نہ تو قابل حجت ہوتی ہیں اور نہ ہی تحقیق و تدقیق (اختبار) کے کام آتی ہیں اور نہ ہی انہیں تائید و استشہاد (اعتبار) کیلئے پیش کیا جا سکتا ہے۔

النوع الربع والعشرون معرفة كيفية سماع الحديث وتحمله وصفة ضبطه

سوال نمبر 103۔ محدثین کی اصطلاح میں "سماع الحدیث والتحمل والاداء" سے کیا مراد ہے؟

اساتذہ حدیث سے احادیث رسول سننے کو سماع الحدیث اور مختلف اسالیب سے احادیث کو حاصل کرنا "تحمل احادیث" کہلاتا ہے۔ اور ان فرامین رسول اللہ ﷺ کو بہترین انداز اور صحیح ترین صورت میں اپنے تلاندہ کو منتقل کرنا اداء الحدیث ہے۔ محدثین کرام نے اس سلسلہ میں سعی بلیغ فرمائی ہے، اس کیلئے نہایت دقیق اصول اور لطیف ضوابط مقرر فرمائے ہیں تاکہ ایک مسلمان کو حدیث نبوی ﷺ کے سننے اور اس کے سلسلہء نقل پر کامل اعتماد ہو۔ نیز اسے یقین ہو کہ نقل و سماع کا یہ طریقہ انتہائی محفوظ اور ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

تحمل حدیث اور اسلام

اساتذہ حدیث سے کسب فیض کیلئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے تحصیل علم زمانہ کفر میں بھی ممکن ہے جیسا کہ حضرت جبیر بن مطعم نے زمانہ کفر میں رسول اللہ ﷺ کو نماز مغرب میں سورۃ مرسلات پڑھتے سنا تھا۔ تاہم علم حدیث کو آگے نقل کرنے کیلئے مسلمان ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ روایت حدیث کیلئے عدالت اور ضبط و اتقان دو بنیادی کردار ہیں۔ زمانہ کفر میں نقل حدیث قابل اعتماد نہیں ہے۔

تحمل حدیث اور بلوغ

تحصیل علم حدیث کیلے بالغ ہونا بھی ضروری نہیں ہے تاہم طالب علم کو باشعور اور سمجھدار ہونا چاہئے محدثین عظام اپنے بچوں کو مجلس حدیث میں لایا کرتے تھے پھر آئندہ زمانہ بلوغ میں ان کی روایات کو قابل اعتماد خیال کرتے تھے۔ اگرچہ بعض لوگوں نے تحمل حدیث کیلئے بلوغ کو ضروری بتایا ہے تاہم ان کی یہ بات صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مسلمانوں نے حضرت حسن بن علی، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت نعمان بن بشیر اور اسی طرح دیگر صغار صحابہ کی روایات کو بغیر کسی تمیز کے قبول کیا ہے کہ یہ روایات بلوغت سے پہلے کی ہیں یا بعد کی۔

سماع حدیث کا آغاز عمر کے کسی حصہ میں ہونا چاہئے اس سلسلہ میں محدثین کی مختلف آراء ہیں:

۱۔ اہل شام کی رائے ہے کہ تیس سال کی عمر میں ابتداء کرنا مستحب ہے تاکہ ذہن اچھی طرح پختہ ہو جائے۔

۲۔ اہل کوفہ کے ہاں بیس سال کی عمر میں آغاز کرنا چاہئے۔ ۳۔ اہل بصرہ کے نزدیک دس سال کی عمر میں سماع حدیث کا آغاز مستحسن ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ جب طالب علم میں صلاحیت و استعداد پیدا ہو اس مبارک عمل کو شروع کر دینا چاہئے عمر کے کسی خاص حصہ کا انتظار نہ کیا جائے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک عنوان یوں قائم کیا ہے "متی یصح سماع الصغیر" کم عمر بچے کا سماع کس عمر میں قابل اعتماد ہو گا، اس سلسلہ میں انہوں نے حضرت محمود بن ربیع کی ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے اور ان کی عمر اس وقت پانچ سال تھی اس بناء پر اہل حدیث نے بچے کیلئے کم از کم پانچ سال کی عمر متعین کی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ بچے کیلئے تمیز و شعور کا اعتبار کیا جائے بچہ اگر بات سن کر صحیح جواب دے سکتا ہے تو اسکا سماع صحیح ہو گا بصورت دیگر اس کے سماع کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

سوال نمبر 104۔ اساتذہ کرام سے کسب حدیث نبوی کے لئے کون کونسے طریقے ہیں پھر سب سے اعلیٰ طریقہ پر نوٹ لکھیں؟

محدث ابن الصلاح نے اخذ حدیث کے متعلق آٹھ طریقے بیان کئے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔السماع من لفظ الشیخ شیخ سے براہ راست سننا ۲۔القراءۃ علی الشیخ. شیخ کو حدیث پڑھ کر سنانا

۳۔الإجازۃ شیخ کا اپنی مرویات کے متعلق اجازت دے دینا ۴۔المناولۃ شیخ کا اپنے شاگرد کو کوئی مکتوب و غیرہ دینا

۵۔الکتابۃ. شیخ کا اپنے شاگرد کو خود یا کسی سے کوئی تحریر لکھوا کر دینا ۶۔الاعلام شیخ کا اپنے شاگرد کو مطلع کرنا

۷۔الوصیۃ شیخ کا وصیت کرنا ۸۔الوجادۃ طالب علم کو شیخ کی کتاب وغیرہ کا مل جاتا

ان میں سے پہلے طریقے کے متعلق محدث ابن الصلاح لکھتے ہیں "هذا القسم ارفع الاقسام عند الجماهير "یعنی جمہور کے نزدیک یہ صورت اخذ

حدیث کی تمام صورتوں سے اعلیٰ اور بلند پایہ ہے اس کی مختصر تشریح پیش خدمت ہے۔

سوال نمبر105۔السماع من لفظ الشیخ سے کیا مراد ہے اور اسکی ادائیگی کا طریقہ کیا ہے

السماع من لفظ الشیخ: اس کی صورت یہ ہے کہ استاذ حدیث پڑھے اور طالب علم اس کا سماع کرے شیخ خواہ کتاب سے دیکھ کر پڑھے یا اپنی یادداشت سے قرآت کرے اس طرح طالب علم خواہ محض سننے پر اکتفاء کرے یا سننے کے ساتھ ساتھ لکھتا بھی جائے۔

طریقہ ادا:۔ تحمل حدیث کی مختلف صورتوں کو آگے بیان کرنے کے لئے مختلف اصطلاحی الفاظ کی شہرت سے پہلے مندرجہ ذیل الفاظ استعمال ہوتے تھے جیسا کہ محدث ابن الصلاح نے قاضی عیاض کے حوالہ سے لکھا ہے: حَدَّثَنَا، اَخْبَرَنَا، اَنْبَأَنَا سَمِعْتُ فُلَانًا يَقُوْلُ، قَالَ لَنَا فُلَانٌ ذَكَرَ لَنَا فُلَانٌ لیکن جب اصطلاحات میں پختگی آگئی اور محدثین کے ہاں ان کی شہرت عام ہوگئی تو سماع من لفظ الشیخ کو ادا کرنے کیلئے سَمِعْتُ یا حَدَّثَنِیْ رائج ہو گیا جیسا کہ علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں: اس کی ادائیگی کے لئے بہترین عبارت سَمِعْتُ ہے پھر حَدَّثَنَا یا حَدَّثَنِیْ کا استعمال ہے۔

محدث ابن الصلاح نے لکھا ہے کہ اس کی ادائیگی حَدَّثَنَا یا اَخْبَرَنَا کے الفاظ سے کی جائے تو یہ سَمِعْتُ سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ سَمِعْتُ میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ محدث نے اسے مخاطب کر کے حدیث بیان کی تھی کیونکہ پس پردہ بیٹھ کر بھی حدیث سنی جاسکتی ہے۔ جبکہ حَدَّثَنَا اور اَخْبَرَنَا میں اس کی صراحت بدرجہ اتم موجود ہے البتہ مذاکرہ کیلئے قال لنا فلان یا ذکر لنا فلان کے الفاظ زیادہ موزوں ہیں۔ واللہ اعلم

سوال نمبر106۔القراءۃ علی الشیخ پر نوٹ لکھیں نیز اس کے رتبہ کا تعین کریں؟ اور بتائیں کہ اس کے طریقہ اداء میں کونے الفاظ استعمال ہوتے ہیں؟

شاگرد کا اپنے شیخ کو احادیث پڑھ کر سنانا القراءۃ علی الشیخ کہلاتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی طالب علم شیخ کی مرویات پڑھے اور شیخ انہیں سنے۔ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ استاد اپنے شاگرد سے یہ مرویات سن کر ان کی تصدیق کر دے اس میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ طلبہ کی جماعت میں سے کوئی ایک پڑھے اور باقی طلبہ سماع کریں۔ نیز قراءت کتاب سے دیکھ کر اور حفظ دونوں سے ہو سکتی ہے اسی طرح شیخ سماع کے لئے اپنے حفظ پر اعتماد کرے یا کتاب سے دیکھے یا اس کا کوئی قابل اعتماد ساتھی کتاب سے دیکھتا چلا جائے الغرض یہ تمام کیفیات القراءۃ علی الشیخ میں آتی ہیں اکثر محدثین اسے عرض سے تعبیر کرتے ہیں۔

محدثین اس انداز سے روایت کرنا جائز سمجھتے ہیں البتہ بعض متشددین نے ناجائز کہا ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایسے لوگوں کی تردید فرمائی ہے اور حضرت امام حسن بصری حضرت سفیان ثوری اور امام مالک سے اس کا جواز نقل کیا ہے اور حضرت ضمام بن ثعلبہ ﷺ کی حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو شب و روز میں پانچ نماز میں ادا کرنے کا حکم دیا ہے؟ تو آپ نے "**اللھم نعم**" کہہ کر اس تصدیق کی تھی۔

محدثین کے ہاں اس کے رتبہ تعیین کے متعلق تین اقوال ہیں:

۱۔ سماع کے برابر: حجاز کے علماء امام مالک، ان کے تلامذہ اور شیوخ اسی طرح علماء کوفہ اسے سماع کے مساوی قرار دیتے ہیں۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس مسلک کو ترجیحاً نقل کیا ہے فرماتے ہیں: **سمعت ابا عاصم یقول عن مالك وسفیان: القراءۃ علی العالم وقراءتہ سواء**

۲۔ سماع سے برتر: امام ابو حنیفہ اور امام ابن ابی ذئب کہتے ہیں کہ یہ سماع سے اونچا درجہ رکھتا ہے امام مالک سے بھی ایک روایت ان کے مطابق مروی ہے۔

۳۔ سماع سے کم تر: جمہور علماء مشرق سے منقول ہے کہ روایت کا یہ انداز سماع سے کم درجہ رکھتا ہے محدث ابن الصلاح نے اس مسلک کو ترجیح دی ہے۔

الفاظ ادا:۔ اس کیلئے محتاط الفاظ یہ ہیں: **قرأت علی فلان** میں نے فلاں شیخ پر قرآت کی اور اس طرح بھی جائز ہے کہ سماع من لفظ الشیخ والے الفاظ میں **قرأۃ علیہ** کا اضافہ کر دے۔ امام بخاری نے حضرت سفیان ثوری سے نقل کیا ہے کہ: **إِذَا قَرَءَ عَلَى الْمُحَدَّثِ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَّقُوْلَ حَدَّثَنِيْ** (صحیح بخاری) یعنی حدثنی کے الفاظ سے بھی روایت کی جاسکتی ہے۔ تاہم لفظ **اخبرنا** کو زیادہ شہرت حاصل ہے اور اس پر اکثر محدثین کا عمل ہے۔ واللہ اعلم

سوال نمبر 107- الاجازۃ سے کیا مراد ہے؟ اس کی کتنی انواع ہیں نیز اس کی ادائیگی کے الفاظ بھی تحریر کریں؟

اجازہ سے مراد روایت حدیث کی اجازت دینا ہے خواہ زبانی ہو یا تحریری اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً شیخ اپنے شاگرد کو کہے کہ میں تجھے اپنی طرف سے صحیح بخاری روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

انواع: اجازہ کی کئی انواع ہیں ہم صرف پانچ کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔ کسی معین شاگرد کو کسی معین کتاب کی اجازت دے مثلاً یہ کہے کہ تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ صحیح مسلم روایت کر سکتے ہو۔ محدث ابن الصلاح کے بقول اجازہ کی انواع میں سے یہ نوع سب سے اعلیٰ ہے۔

۲۔ شیخ کسی معین شاگرد کو غیر معین کتب روایت کرنے کی اجازت دے مثلاً یہ کہے کہ میں تمہیں اپنی مرویات کو روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

۳۔ شیخ غیر معین لوگوں کو غیر متعین کتابوں کی عمومی اجازت دے مثلاً یوں کہئے کہ میں اپنے اہل زمانہ کو اپنی مرویات کی اجازت دیتا ہوں۔

۴۔ شیخ کسی مجہول کتاب کی اجازت دے مثلاً یوں کہ میں تمہیں کتاب سنن کی اجازت دیتا ہوں جبکہ وہ سنن کی کئی کتابوں کی روایت رکھتا ہو یا کسی مجہول فرد کو اجازت دے۔ مثلاً یوں کہے کہ میں محمد بن عمر کو اجازت دیتا ہوں جبکہ اس نام کے کئی افراد ہوں۔

۵۔ معدوم کو اجازت دے مثلاً یوں کہے کہ میں فلاں کی ہونے والی اولاد کو اجازت دیتا ہوں۔

اس کا حکم

اجازہ کی مذکورہ انواع میں سے پہلی نوع کی روایت جائز ہے اور اس پر اہل علم کا عمل اور اتفاق ہے اور جمہور علماء نے بھی اسے ہی جائز قرار دیا ہے۔ بقیہ انواع کے جواز میں شدید اختلاف ہے۔ بہر حال الاجازہ اخذ حدیث کی ایک کمزور صورت ہے اس کی روایت سے اجتناب اولیٰ ہے۔

ادائیگی کے الفاظ

اجازہ کی صورت میں حاصل کردہ روایت کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے: "اجاز لی فلان" مجھے فلاں نے اسے روایت کرنے کی اجازت دی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ سماع اور قرأۃ کی عبارات میں اجازہ کا اضافہ کر لیا جائے یعنی یوں کہا جائے: حدثنا اجازۃ .... اخبرنا اجازۃ البتہ متأخرین کی اصطلاح میں اس کی ادائیگی کے لئے أنبأنا رائج ہے۔

نوٹ: محدث ابن الصلاح نے اجازہ کی دو مزید اقسام بھی ذکر کی ہیں:-

ا۔ مجیز کسی ایسی چیز کی اجازت دے جسے وہ ابھی تک خود حاصل نہیں کر سکا ہے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

۲۔ جس چیز کی شیخ سے اجازت ملی ہے ان تمام کی آگے اپنے شاگرد کو اجازت دے اگرچہ بعض لوگوں نے اسے ناجائز کہا ہے۔ تاہم محدث ابن الصلاح کے ہاں ایسا کرنا جائز ہے۔

سوال نمبر108۔ مندرجہ ذیل انواع تحمل پر مختصر نوٹ لکھیں: المناولۃ، الکتابۃ، الاعلام، الوصیۃ، الوجادۃ

۱۔ المناولۃ: المناولہ کا معنی شیخ کا اپنے شاگرد کو کوئی مکتوب وغیرہ دینا۔ اس کی دو اقسام ہیں

مناولۃ مع الإجازۃ: اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنے شاگرد کو اپنی کتاب دے اور کہے کہ اس کتاب کی مجھے فلاں سے روایت حاصل ہے تم اسے مجھ سے

روایت کر سکتے ہو۔ اس سے روایت جائز ہے لیکن اس کا سماع من لفظ الشیخ اور قراءۃ علی الشیخ سے کم درجہ کا ہے۔ اس کی ادائیگی کے لئے یوں کہا

جائے نَاوَلَنِيْ و اَجَازَنِي، اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے "حَدَّثَنَا مُنَاوَلَةً اور اَخْبَرَنَا مُنَاوَلَة وإجَازَة

"مناولۃ بدون اجازۃ: اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ شاگرد کو اپنی کتاب دے اور صرف اتنا کہے کہ میں نے یہ کتاب فلاں سے سنی ہے۔ چونکہ اس میں اجازت نہیں دی گئی لہذا اس سے روایت کرنا صحیح نہیں ہے۔

۲۔ المکتابۃ: اسکی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنی کتاب یا روایات کسی کو لکھ کر دے اس کی بھی دو اقسام ہیں۔

کتابۃ مع الاجازۃ: محدث یوں کہے کہ جو تحریر میں نے تمہیں لکھ دی ہے اسکی تمہیں اجازت ہے۔

کتابۃ بدون اجازۃ: ایسی تحریر جس کے ساتھ اجازت کی تصریح نہ ہو اس کی تصریح بایں الفاظ ہو گی کتب لی فلان یعنی فلاں نے مجھے لکھ بھیجا یا حدثنی فلان کتابۃ یا اخبرنی فلان کتابۃ"

۳۔ الاعلام: اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ تلمیذ کو اطلاع دے اور بتائے کہ اس حدیث یا کتاب کا مجھے سماع حاصل ہے۔ اس میں اجازت کا ذکر نہیں ہوتا لہذا اس صورت میں روایت حدیث جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں شیخ نے صرف خبر دی ہوتی ہے۔

۴۔ الوصیۃ: شیخ اپنی وفات یا سفر کے موقع پر اپنی کسی کتاب کی کسی شخص کو وصیت کر جائے اس صورت میں روایت کرنے کے متعلق صحیح قول یہ ہے کہ جائز نہیں۔ کیوں کہ وصیت کرنیوالے نے صرف کتاب کی وصیت کی ہوتی ہے۔ روایت کے متعلق اجازت نہیں دی ہوتی اگر

آ گئے روایت کرنا چاہے تو یوں کے اَوْصٰی لِیْ فُلَانٌ بِکَذَا یا حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ وَصِیَّۃً

۵۔**الوجادۃ:** یہ لفظ "وجد" ماضی کا مصدر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ کی تحریر یا کتاب کا کسی طرح حاصل ہو جانا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شاگرد کو کہیں سے اپنے شیخ کے ہاتھ سے لکھی ہوئی احادیث مل جائیں جن کی شیخ کو روایت حاصل تھی اور تلمیذ اپنے شیخ کے خط کو بخوبی جانتا بھی ہو۔ ان روایات کی تلمیذ کو خبر تھی مگر اسے براہ راست سماع حاصل نہ ہو سکا اور نہ ہی ان کی اجازت ملی تھی۔ روایت بالوجادہ میں ایک طرح سے سند میں انقطاع ہوتا ہے مگر ایک دوسرے اعتبار سے متصل بھی ہوتی ہے اگر وجادہ کی روایت کرے تو یوں کے: **وَجَدْتُ بِخَطِّ فُلَانٍ کَذَا** میں نے فلاں کی تحریر پائی اس کی سند اور متن ذکر کرے۔ واللہ اعلم

النوع الخامس والعشرون فی کتابۃ الحدیث و کیفیۃ ضبطہ الکتاب و تقییدہ

سوال نمبر 95۔ اس شخص کی روایت کا کیا علم ہے جو سہل پسندی، کثرت سہو اور قبول تلقین میں معروف ہو نیز جو راوی خود روایت کر کے بھول جائے اسکے متعلق محدثین کا کیا فیصلہ ہے؟

جس شخص کے متعلق یہ مشہور ہو کہ وہ سماع حدیث یا دوران تدریس تساہل اور غفلت کا مظاہرہ کرتا ہے اس کی روایت کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ محدثین کا یہی فیصلہ ہے اسی طرح جو شخص سماع حدیث کے وقت اونگھتا رہتا ہو، حدیث بیان کرنے کے لئے اپنی کتاب کا اصل کتاب سے موازنہ نہ کر چکا ہو اس کی روایت بھی قابل قبول نہیں۔ نیز جو شخص تلقین قبول کرنے میں معروف ہے اسکی روایت بھی قبول نہیں ہوتی۔

تلقین کا مطلب یہ ہے کہ درس کے دوران کسی نے لقمہ دیا یا کوئی بات کہہ دی تو اسے قبول کر کے آگے بیان کرنا شروع کر دے اور اسے یہ معلوم ہی نہ ہو کہ یہ میری حدیث ہے بھی یا کہ نہیں۔ اور اس طرح جو شخص اپنی روایات میں بہت زیادہ سہو کا شکار ہوتا ہو اور بکثرت بھولتا ہو اسکی روایت بھی قبول نہیں کی جاتی۔

البتہ جو شخص خود روایت کر کے بھول جائے محدثین کی اصطلاح میں اسے "من حدث ونسی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ محدث نے اپنے شاگرد کو کوئی حدیث روایت کی مگر بعد میں بھول گیا کہ میں نے اسے روایت کیا بھی ہے یا کہ نہیں۔ جبکہ شاگرد اس کے حوالہ سے بیان کر رہا ہے۔ ایسی روایت کے متعلق دو موقف ہیں:

ا۔ مذکورہ قسم کی روایت مردود ہوگی بشرطیکہ محدث حتی طور پر اس کا انکار کر دے اور یوں کہے کہ میں نے یہ حدیث بیان نہیں کی یا اس طرح اپنے رد عمل کا اظہار کرے کہ یہ روایت مجھ پر اتہام ہے۔

۲۔ ایسی روایت مقبول ہوگی بشرطیکہ محدث انکار کرنے میں متردد ہو مثلاً یوں کہے کہ "میں اس روایت کو نہیں جانتا یا مجھے یاد نہیں پڑتا" وغیرہ اس قسم کا نسیان راوی کے لئے باعث جرح نہیں ہے۔

اب ہم اس کے متعلق ایک مثال بیان کرتے ہیں۔

ابوداود وغیرہ میں ایک حدیث بایں سند مروی ہے ربیعۃ بن أبی عبد الرحمن عن سھیل بن أبی صالح عن أبیہ عن أبی ھریر قال رسول اللہ

ﷺ عبد العزیز من محمد الدراوردی کہتے ہیں کہ ربیعہ بن علی عبد الرحمن نے مجھے یہ روایت سہیل کے واسطہ سے بیان کی میں اس کے بعد سہیل سے ملا اور ان سے مذکور روایت دریافت کی تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا میں نے کہا کہ مجھے تو ربیعہ بن ابی عبد الرحمن نے آپ کے حوالہ سے اس طرح بیان کیا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد سہیل مذکور روایت بایں انداز میں بیان کرتے تھے: حدثنی عبد العزیز عن ربیعۃ علی انی حدثتہ عن أبی عن أبی ھریرۃ مرفوعاً مجھے عبد العزیز نے

بواسطہ ربیعہ حدیث بیان کی کہ میں نے انہیں اپنے باپ کے حوالہ سے یہ حدیث حضرت ابوھریرہ سے مرفوعا بیان کی تھی۔

سوال نمبر96:۔ مجہول راوی سے کیا مراد ہے؟اس کے اسباب بیان کریں۔

مجہول اس راوی کو کیا جاتا ہے جس کی شخصیت اور حالات معلوم نہ ہوں یا شخصیت تو معروف ہو لیکن اس کی صفات عدل وضبط کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو۔

اسباب: کسی راوی کے مجہول ہونے کے تین اسباب ہیں:

ا۔ کثرت القاب وصفات:۔ کسی راوی کے کئی نام ہوں یا القاب وصفات بہت زیادہ منقول ہوں اور کسی ایک سے مشہور ہو جائے مگر جب اس کا ذکر کسی غیر معروف نام، کنیت، لقب یا صفت سے ہو تو اسے کوئی دوسرا راوی خیال کر لیا جائے۔ اس طرح اس کے حالات گوشہ خفائ میں رہتے ہیں۔ مثلاً **محمد بن السائب بن بشر الکلبی** بعض نے اس کے دادا کی طرف منسوب کر کے محمد بن بشر کہا ہے بعض نے اس کا نام حماد بن السائب بتایا ہے اس طرح کسی نے اس کی کنیت ابو النصر، کسی نے ابو سعید اور کسی نے ابو ہشام بیان کی ہے۔

۲۔ قلت روایات:۔ اس کی روایات بہت کم ہوں اور اس سے روایت لینے والوں کی تعداد بھی قلیل ہو، بعض اوقات اس سے بیان کرنے والا رف ایک ہی شاگرد ہو مثلاً ابو العشرائ الدارمی ایک تابعی ہیں ان سے روایت لینے والا صرف حماد بن سلمہ ایک ہی شاگرد ہے۔

۳۔ بعض اوقات اختصار کے پیش نظر کسی راوی کے نام کی تصریح نہیں ہوتی مثلاً راوی کا یہ کہنا کہ **اخبرنی فلان اور حدثنی رجل**

سوال نمبر97۔ مجہول راوی کی انواع اور حکم بیان کریں۔

مجہول راوی کی انواع:۔ اس کی تین انواع ہیں۔ ا۔ مجہول العین ۲۔ مجہول الحال ۳۔ مبہم

مجہول العین:۔ وہ راوی جس کا نام تو معلوم ہو لیکن اس سے روایت لینے والا صرف ایک شخص ہو اس کا حکم یہ ہے کہ ایسے راوی کی روایت قبول نہیں ہوتیں۔ الا یہ کہ اس کی توثیق ہو جائے۔ اس کی توثیق دو طرح سے ہو سکتی ہے۔

ا۔ اس سے روایت لینے والا تلمیذ کے علاوہ کوئی دوسرا اسکی توثیق کرے۔

۲۔ روایت لینے والا بھی توثیق کر سکتا ہے بشرطیکہ جرح وتعدیل میں اس کا قول قابل اعتماد ہو۔

مجہول الحال:۔ ایسا راوی جس سے روایت لینے ولے دوی دو سے زیادہ ہوں مگر اس کی توثیق نہ کی گئی ہو۔ اسے مستور بھی کہتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ اس قسم کے راوی کی روایت بھی مردود ہوتی ہے۔

۳۔ مبہم:۔ اگرچہ علماء حدیث نے اس کا خاص نام تجویز کیا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ مجہول ہی کی ایک قسم ہے اسکی روایت کا حکم یہ ہے کہ ایسے راوی کی روایت بھی غیر مقبول ہوتی ہے کیونکہ جس کا نام مبہم ہے اسکی شخصیت بھی مجہول ہو گی پھر اس کی عدالت کا بھی پتہ نہیں چل سکے گا جو قبول روایت کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ لہذا ایسے راوی کی روایت بھی قبول نہیں ہوتی الا یہ کہ اس کے نام کی تصریح وارد ہو اور اس کی ثقاہت وعدالت بھی ثابت ہو۔

النوع السادس فی صفة روایة الحدیث وشرط أدائه وما یتعلق بذلك

:سوال نمبر98۔ کتابت حدیث کے متعلق متقدمین کے اختلاف اور وجہ اختلاف کو تفصیل سے بیان کریں پھر دلائل کی روشنی میں راجح موقف کی نشاندہی کریں۔

کتابت حدیث کے متعلق سلف صالحین میں اختلاف رہا ہے اس کے متعلق دو اقوال منقول ہیں: کچھ صحابہ کرام احادیث رسول کو ضبط تحریر میں لانے کو مکروہ خیال کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو موسیٰ اشعری، اور حضرت ابو سعید خدری سے کراہت منقول ہے۔ اس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کا درج ذیل ارشاد گرامی ہے جسے حضرت ابو سعید خدری نے بیان کیا ہے: مجھ سے قرآن کے علاوہ اور کچھ نہ لکھو جس کسی نے قرآن کے علاوہ اور کچھ لکھا ہو تو اسے مٹا ڈالے۔" (صحیح مسلم) اس فرمان نبوی

کے پیش نظر مذکورہ حضرات کتابت حدیث کو ناپسند کرتے تھے۔

کچھ صحابہ کرام کتابت حدیث کو جائز سمجھتے تھے مثلاً حضرت علی، حضرت حسن، حضرت انس، حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن عمرو ان کے علاوہ متعدد تابعین عظام بھی احادیث رسول ﷺ کو ضبط تحریر لانے کے قائل تھے۔ جن میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ بر سر فہرست ہیں بلکہ ان کے دورِ خلافت میں تو سرکاری طور پر اس کا اہتمام کیا گیا اور حضرت ابن شہاب زہری کو یہ ذمہ داری سونپی گئی۔ یہ حضرات اپنے مؤقف کی تائید میں ایسی احادیث پیش کرتے ہیں جن میں فرمودات رسول ﷺ کو لکھ لینے کی اجازت موجود ہے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے ابو شاہ الیمنی کی درخواست پر فتح مکہ کے موقع پر آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اسے ضبط تحریر میں لانے کا حکم دیا تھا۔ ان مختلف اقوال کے پیش نظر کتابت حدیث کے متعلق متقدمین میں اختلاف ہوا کسی حدیث میں لکھنے کی اجازت تھی تو دوسری حدیث میں اس سے منع کیا گیا تھا۔

مختلف اقوال میں جمع و تطبیق: ان مختلف احادیث کو دو طرح سے جمع کیا گیا ہے:

۱۔ احادیث کو ضبط تحریر میں لانے کی اجازت اس شخص کو ہے جسے نسیان کا خطرہ ہو اور نہی کا تعلق اس شخص سے ہے جسے اس قسم کا اندیشہ نہ ہو۔

۲۔ نہی کا حکم اس خطرہ کے پیش نظر دیا گیا تھا کہ مبادا فرامین رسول ﷺ اور قرآن مجید باہمی خلط ملط ہو جائیں۔ جب یہ اندیشہ جاتا رہا تو احادیث لکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس صورت میں نہی کا حکم منسوخ ہو گا۔ بلآخر کتابت حدیث کے جواز پر امت کا اجماع ہو گیا اگر احادیث رسول کو دفاتر میں جمع نہ کیا جاتا تو ہم لوگوں تک احادیث رسول نہ پہنچ پاتیں اور ہم اس سعادت سے محروم رہتے۔

سوال نمبر 99۔ مندرجہ ذیل عبارت کی تشریح کریں۔؟ اذا اراد روایۃ ما سمع علی معناہ دون لفظہ فان لم یکن عالماً عارفا بالالفاظ ومقاصد خبیراً بما یحیل معانیہا بصیراً بمقادیر التفاوت بینہا فلا خلاف انہ لا یجوز لہ ذلك

ترجمہ عبارت- اگر کوئی سنے ہوئی کلام کو متکلم کے الفاظ کی بجائے اپنے الفاظ میں بیان کرنا چاہتا ہو تو اگر وہ الفاظ اور ان کے معانی و مقاصد کا صحیح طور پر عالم نہیں ہے اور الفاظ کے تغیر سے معانی پر مرتب ہونے والے اثرات سے بھی واقف نہیں اور نہ ہی اس فرق کی مقدار سے واقف ہے تو ایسے انسان کو روایت بالمعنی جائز نہیں۔ یعنی کسی کی عبارت کو اپنے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔

عبارت کی تشریح: اس عبارت میں روایت بالمعنی اور اس کے حکم کو بیان کیا گیا ہے، اس میں متقدمین علماء کا اختلاف ہے بعض اس کے جواز کے قائل ہیں اور کچھ اسے جائز قرار نہیں دیتے اور بعض احادیث رسول میں روایت بالمعنی کو ناجائز سمجھتے ہیں اور دیگر روایات میں اس کی اجازت دیتے ہیں چنانچہ اصحاب الحدیث، فقہاء اور اصولین کا ایک گروہ اسے جائز نہیں سمجھتا ان میں امام ابن سیرین اور ابو بکر الرازی کا نام سر فہرست ہے۔ جبکہ جمہور محدثین اور فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں لیکن ضروری ہے کہ روایت بالمعنی کرنے والا تمام کلام اور معنی کو کامل طور پر صحیح ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

روایت بالمعنی کی شرائط: جن محدثین نے روایت بالمعنی کو جائز قرار دیا ہے ان کے ہاں اس کی دو شرطیں ہیں:

۱۔ راوی صحیح طور پر الفاظ اور ان کے معانی و مقاصد سے واقف ہو۔ ۲۔ الفاظ کی تبدیلی سے معانی پر مرتب ہونے والے اثرات کو جاننے والا ہو۔

یاد رہے کہ رخصت صرف حفظ یعنی زبانی طور پر روایت کرنے سے متعلق ہے۔ البتہ تصنیف شدہ کتب میں روایت بالمعنی جائز نہیں ہے اور نہ ہی مدون کتابوں کے الفاظ بدلے جائز ہیں۔ کیونکہ روایت بالمعنی کو ایک ضرورت اور مجبوری کے وقت جائز قرار دیا گیا ہے کہ راوی اپنے حفظ سے روایت کر رہا ہو اور کوئی ایک آدھ کلمہ اگر یاد نہ رہا ہو تو اسے اپنے الفاظ میں بیان کر دے لیکن جب احادیث پر مشتمل کتب مدون

ہو چکی ہیں تو اب روایت بالمعنی کی قطعاً کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

مزید احتیاط روایت بالمعنی کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ حدیث بیان کرنے کے بعد مندرجہ ذیل الفاظ سے اپنے قصور کا اعتراف کرے: **او کما قال یا او نحو ھذا یا او شبھہ وغیرہ**

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو درداء اور حضرت انسان جب احادیث رسول بیان کرتے تو اس کے بعد ان الفاظ کو دہراتے تھے۔ باوجود اس کے کہ وہ

اہل زبان تھے اور کلام کی باریکیوں اور لطافتوں سے واقف تھے تاہم وہ روایت بالمعنی کے خطرات سے بخوبی آگاہ تھے اس لئے روایت بیان کرنے کے بعد **او کما قال رسول اللہ ﷺ** یہ ضرور کہتے تھے تاکہ آپ کی طرف ایسے الفاظ کی نسبت نہ ہونے پائے جو آپ نے ادا نہیں فرمائیں۔

سوال نمبر100۔ بدعت کی تعریف کریں، محدثین کے ہاں اس کے مرتکب کا کیا مقام ہے ایسے شخص سے مروی حدیث کا کیا حکم ہے۔؟

لغوی طور پر یہ لفظ بِدْعُ فعل کا مصدر ہے جس کا معنی کسی نئی چیز کا ایجاد کرنا ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں دین کے کامل ہو جانے کے بعد اس میں کسی نئی چیز کا اضافہ کرنا بدعت کہلاتا ہے۔ بدعت کے مرتکب کو بدعتی یا مبتدع کہتے ہیں محدثین نے ایسے شخص کو کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا ہے۔ تاہم بدعت کے ہلکے یا سنگین ہونے کے لحاظ سے اسے دو انواع میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ بدعت مُکَفِّرَہ: اس سے مراد ایسی آراء، رسوم و رواج ہیں جن کے ارتکاب سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ جو شخص کسی ایسے شرعی امر کا انکار کرے جو تواتر سے ثابت ہو اور ضروریات دین کا حصہ ہو۔ یا ان کے برعکس کسی امر کا اعتقاد رکھتا ہو وہ بلاشبہ بدعت کا مرتکب ہے جس سے انسان کافر ہو جاتا ہے

۲۔ بدعت مُفسِّقَہ: اس سے مراد کوئی ایسا غیر شرعی کام ہے جس کے ارتکاب سے کفر تو لازم نہ آئے البتہ اسے فسق و فجور کے دائرہ میں ضرور داخل کر دے۔ **مبتدع کی روایت کا حکم:** بدعتی راوی کی روایت مندرجہ ذیل شروط کے ساتھ قبول کی جاسکتی ہے

:۱۔ جو امر شرعی متواتر طریق سے ثابت ہو اور امور دینیہ میں شامل ہو اعتقاداً یا عملاً اس کا منکر نہ ہو۔ ۲۔ ابدعتی ہونے کے علاوہ ثقاہت کی دیگر تمام صفات کا حامل ہو۔ ۳۔ اپنے غلط مذہب کی تقویت کے لئے قرآن و حدیث میں تحریف نہ کرتا ہو۔ ۴۔ دینی یا دنیوی معاملات میں جھوٹ کو جائز نہ سمجھتا ہو۔

۵۔ بیان کردہ روایت اس کے غلط نظریات کی مؤید نہ ہو۔ ۶۔ وہ اپنی بدعات کا کسی اسلوب انداز میں داعی نہ ہو۔

اس آخری شرط کے متعلق محدث ابن الصلاح نے ابو حاتم بن حبان البستی کے حوالہ سے لکھا ہے: "بدعت کا داعی اور اسے رواج دینے والا کسی صورت میں قابل اعتماد نہیں ہے یہ اتفاقی فیصلہ ہے۔ جس میں کوئی اختلاف نہیں میں مذہب زیادہ قرین قیاس اور عدل و انصاف کے قریب ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں متعدد روایات ایسے راویوں سے مروی ہیں جنہیں بدعتی کہا گیا ہے۔ چونکہ وہ اپنی بدعت کے داعی نہ تھے اس لئے ان کی روایات کو قبول کیا گیا ہے۔

نخبۃ الفکر

سوال نمبر 1۔ رواۃ کے طبقات کی معرفت سے کیا مراد ہے؟ اور اس کے کیا فوائد ہیں؟

اصطلاحاً طبقہ سے وہ جماعت مراد ہوتی ہے جس کے افراد ہمعصر اور معین و مشائخ سے روایت کرنے میں شریک ہوں۔ اس میں راویوں کی پیدائش، وفات اور ان کے شہروں کی معرفت حاصل کی جاتی ہے۔ رواۃ کے طبقات کے درج ذیل فوائد ہیں۔

۱۔ راویوں کے طبقات کے علم سے دو مشتبہ ناموں میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ ۲۔ تدلیس معلوم ہو جاتی ہے۔ ۳۔ اسناد متعین میں اتصال ہے یا نہیں، اس کا علم حاصل ہوتا ہے

سوال نمبر 2۔ کیا ایک شخص دو طبقات میں شمار ہو سکتا ہے؟ مدلل جواب دیں۔

ایسا ممکن ہے ایک ہی شخص مختلف حیثیت سے دو طبقوں میں شمار کیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت انس بن مالک بایں حیثیت کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف صحبت حاصل ہے، عشرہ مبشرہ کے طبقہ میں شامل ہیں اور بائیں حیثیت کہ اس وقت وہ صغیر السن تھے ما بعد کے طبقہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔

سوال نمبر 3۔ صحابہ کے کتنے طبقات ہیں؟ مفصل جواب دیں۔

جس نے صحابہ میں صرف صحبت کا لحاظ کیا اس نے جمیع صحابہ کا ایک ہی طبقہ قرار دیا، چنانچہ ابن حبان وغیرہ نے تمام صحابہ کو ایک ہی طبقہ قرار دیا ہے، اور جس نے صحبت کے ساتھ اور کسی وجہ کو بھی مد نظر رکھا ہے مثلاً سبقت اسلامی، شرکت غزوات و ہجرت کا، اس نے صحابہ میں چند طبقے قائم کئے ہیں، چنانچہ ابو عبد اللہ محمد بن سعد بغدادی صاحب طبقات کبری انہوں نے صحابہ کے متعدد طبقات قرار دیئے ہیں طبقات کے متعلق جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سب سے زیادہ جامع ابن سعد کی کتاب ہے۔

سوال نمبر 4۔ کیا تابعین کے بھی متعدد طبقات ہیں؟

بعض لوگوں نے تابعین میں سے جس نے صحابہ سے ان کے صرف حدیث روایت کرنے کا لحاظ رکھا، تو ایک ہی طبقہ قرار دیا۔ اور جس نے کثرت و قلت ملاقات کا بھی اس کے ساتھ اعتبار کیا اس نے ان میں متعدد طبقے قائم کئے، جیسے محمد بن سعد نے کیا ہے۔

سوال نمبر 5۔ روات کی پیدائش و وفات کی معرفت سے کیا مراد ہے؟ اس کا کیا فائدہ ہے؟

اس سے مراد ہے، راویوں کی پیدائش و وفات کا زمانہ کو جاننا، اس کے علم سے اس شخص کے دعوی کی اصل حقیقت معلوم ہو جاتی ہے جو کسی صحابی یا تابعی سے ملاقات (یا روایت) کرنے کا دعوی کرتا ہے مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہوتا۔

سوال نمبر 6۔ روات کے شہر اور وطن کی پہچان سے کیا مراد ہے؟ اس کا کیا فائدہ ہے؟

اس سے مراد ہے روات کے وطن اور شہروں کا علم، اس کے جاننے سے دو ہمنام راویوں کو ان کے اپنے اپنے شہر کی جانب منسوب کر دینے سے یہ دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں اور اشتباہ کا امکان نہیں رہتا۔

سوال نمبر 7. احوال راوی سے کیا مراد ہے؟ اس کا کیا فائدہ ہے؟

احوال راوی سے مراد ہے کہ راوی عادل ہیں یا مجروح یا مجہول؟ جب تک اس کا علم نہ ہو گا حدیث پر صحت و عدم صحت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

سوال نمبر8۔ جرح کے مراتب میں امتیاز کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

جرح کے مراتب میں امتیاز کرنے کا علم بہت ہے اہم کیونکہ کبھی بعض اشخاص پر ایسی جرح کی جاتی ہے جس سے اس کی تمام حدیثیں مردود نہیں ہو سکتیں۔

سوال نمبر9۔ مراتب جرح کتنے اور کون کونسے ہیں؟

اصل مراتب جرح تین ہیں:(۱)اشد(۲)اضعف(۳)اوسط

اشد:۔ جس لفظ جرح میں مبالغہ ہوتا ہے وہ اشد پر دلالت کرتا ہے، چنانچہ ان کے قول "اَکْذَبُ النَّاسِ" یا "اِلَیْہِ الْمُنْتَھٰی فِی الْوَضْعِ" یا "ھُوَ رُکْنُ الْکَذِبِ" اور اس کے مانند دیگر الفاظ ان میں زیادہ مبالغہ ہے۔ پھر یہ اقوال ہیں دَجَّال، وَضَّاع" یا "کَذَّاب" ان میں بھی مبالغہ ہے مگر اول سے کم۔

اضعف: پھر جرح وتنقید میں ان سے نرم الفاظ آتے ہیں مثلاً فُلَانٌ لَیِّنُ الْحِفْظِ" یا سَیِّئُ الْحِفْظِ" یا "فِیْہِ اَدْنٰی مَقَال" یہ اضعف پر دلالت کرتا ہے۔

اوسط: پھر ان دونوں درجوں کی درمیانی حالت بتانے والے الفاظ آتے ہیں مثلاً فُلَانٌ مَتْرُوْك" یا "سَاقِطٌ" یا "فَاحِشُ الْغَلَطِ" یا "مُنْکِرُ الْحَدِیْثِ" یا ان بھی نرم الفاظ مثلاً فُلَانٌ ضَعِیْفٌ" یا "لَیْسَ بِالْقَوِیِّ" یا "فِیْہِ مَقَالٌ" یہ سب الفاظ اوسط پر دلالت کرتے ہیں، مگر اوسط میں چونکہ مراتب مختلف ہیں اس لئے قول اول میں بہ نسبت قول ثانی کے زیادہ شدت ہے۔

سوال نمبر10۔ مراتب تعدیل کتنے اور کون کون سے ہیں؟

مراتب تعدیل میں امتیاز کرنا، تعدیل کے بھی تین مراتب ہیں۔(۱)اعلی(۲)اوسط(۳)ادنی

اعلی: اول جس لفظ تعدیل میں مبالغہ ہوتا ہے الفاظ "اَوْثَقُ النَّاسِ" یا "اَثْبَتُ النَّاسِ" یا "اِلَیْہِ الْمُنْتَھٰی فِی التَّثَبُّتِ

اوسط: دوسرے نمبر پر وہ ہے جسے اوسط درجہ حاصل ہے مثلاً راوی کو ان صفات میں سے جو تعدیل پر دلالت کرتی ہیں کسی ایک صفت کے ساتھ مؤکد کیا جائے یا دو وصفوں کے ساتھ مذکر کیا جائے، ایک صفت کی مثال یہ ہے "ھُوَ ثِقَۃٌ ثِقَۃٌ، ثَبَتٌ ثَبَتٌ" وو وصفوں کی مثال یہ ہے "ثِقَۃٌ حَافِظٌ، عَدْلٌ ضَابِطٌ وغیرہ

ادنی: تیسرے درجے پر لفظ تعدیل جسے ادنی کہنا چاہیے یہ ہے کہ ایسے لفظ کہے جو (اگرچہ تعدیل کے لئے ہوں) مگر وہ نرم ترین جرح (تنقید) کے قریب قریب معلوم ہوتے ہوں، مثلاً ھُوَ شَیْخٌ" یا یُرْوٰی حَدِیْثُہ وَیُعْتَبَرُ بِہ" ان کے درمیان میں اور مراتب بھی ہیں جو پوشیدہ نہیں ہیں۔

سوال نمبر11۔ کس کی جرح وتعدیل قبول ہوگی اور کس کی نہیں؟

صرف اس شخص کی تعدیل یا جرح قبول کی جاسکتی ہے جو عادل اور ہوشیار ہو، اور اس شخص کی جرح نامقبول ہوگی جو جرح میں افراط اور زیادہ موشگافی کرتا ہو اور ایسی جرح کرتا ہو جو کسی محدث کی حدیث کو رد کرنے کی مقتضی نہیں ہوتی، اسی طرح اس شخص کی تعدیل بھی نا مقبول ہوگی جو سرسری طور پر تزکیہ کرتا ہو۔

سوال نمبر12۔ جرح وتعدیل کے بارے امام ذہبی کا کیا موقف ہے؟

ذہبی کہ جس کو تنقید رجال میں کامل دسترس تھی ان کا قول ہے کہ علم تنقید کے دو ماہرین نے نہ کبھی کسی ضعیف کی تعدیل پر اتفاق

کیا ہے اور نہ کسی ثقہ کی تضعیف پر۔

سوال نمبر13۔ جرح وتعدیل کے بارے امام نسائی کا کیا موقف ہے؟

نسائی کا مسلک تھا کہ وہ کسی شخص کی حدیث کو اس وقت تک ترک نہ کرتے جب تک کہ اس کے ترک کرنے پر تمام کا اتفاق نہ ہوتا

سوال نمبر14۔ اصحاب جرح وتعدیل کو جرح وتعدیل میں سستی کیوں نہیں کرنی چاہیے؟

اصحاب جرح وتعدیل کرنے والوں کو جرح وتعدیل میں تساہل وغفلت سے کام لینا نہیں چاہیئے، اس لئے بلا حجت ودلیل کے تعدیل کرنا گویا ایک غیر ثابت حدیث کو ثابت کرتا ہے، اور اس پر اندیشہ ہے کہ ایسا شخص بمنزلہ اس کے ہو جائے جو ایک حدیث کو جھوٹی گمان کر کے پھر بھی اس کو روایت کرتا ہے، اور اگر بلا احتیاط جرح کرے گا تو وہ ایک بے قصور مسلمان پر ایک ایسا طعن عائد کرے گا جس کا داغ ہمیشہ اس کی پیشانی پر رہے گا۔

سوال نمبر15۔ جرح میں تعدی کس سبب سے ہوتی ہے؟ اور کیا اعتقادی مخالفت کی وجہ سے جرح جائز ہے؟

جرح میں تعدی اور زیادتی کبھی خواہش نفسانی سے اور کبھی عداوت وحسد وغیرہ کی وجہ سے بھی کی جاتی ہے، اکثر وبیشتر متقدمین کا کلام اس قسم کی تعدی سے پاک ہے، اور یہ بھی اعتقادی مخالفت سے بھی صادر ہوتی ہے اس قسم کی تعدی متقدمین ومتاخرین دونوں میں بکثرت موجود ہے، مگر اعتقادی مخالفت کی وجہ سے جرح کرنا ناجائز ہے۔

سوال نمبر16۔ جرح، تعدیل پر کب مقدم ہوتی ہے؟ اسکی شرائط واضح کریں۔

ایک جماعت نے عموماً جرح کو تعدیل پر مقدم سمجھا ہے، لیکن اس کی کچھ شرائط ہیں

۱۔ اگر ایک شخص کی پر جرح وتعدیل دونوں کی گئی ہوں اور جرح کرنے والا اسباب جرح سے واقف ہو اور جرح کو اس نے مفصل بیان کیا ہو تو اس صورت میں جرح تعدیل پر مقدم کی جائے گی۔

۲۔ اگر جرح کرنے والا اسباب جرح سے ناواقف ہو، یا واقف تو ہو مگر جرح کو اس نے مفصل بیان نہ کیا ہو تو پھر جرح تعدیل پر مقدم نہیں کی جاسکتی۔

۳۔ اور اگر ایسے شخص پر جرح کی گئی ہو جس کی تعدیل نہیں کی گئی تھی تو اس صورت میں بقول مختار مجمل جرح بھی مقبول ہو گی بشرطیکہ جارح، اسباب جرح سے واقف ہو، اس لئے کہ ایسا شخص بسبب عدم تعدیل، چونکہ مجہول العدالۃ ہے، اس لئے جارح کی جرح اس میں بے اثر نہ ہو گئی، البتہ ابن الصلاح کا اس صورت میں میلان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو مجروح کہنے میں توقف کیا جائے۔

سوال نمبر17:۔ اسماء اور کنیت کی پہچان کے لیے فن حدیث میں کن امور کا جاننا ضروری ہے؟

فن حدیث میں امور ذیل کا جاننا ضروری ہے۔

۱۔ جو راوی نام سے مشہور ہو، اگر اس کی کنیت ہو تو وہ بھی پہچاننی چاہیے ورنہ کسی روایت میں اگر وہ کنیت کے ساتھ آئے گا تو دوسرا شخص خیال کیا جائے گا۔

۲۔ جو راوی کنیت سے مشہور ہو اس کا نام بھی معلوم ہونا چاہیے ورنہ کسی اور روایت میں نام سے مذکور ہونے کی صورت میں اس پر دوسرے شخص کا اشتباہ ہو جائے گا۔

۳۔ جس شخص کا نام وکنیت دونوں متحد ہوں، گو یہ بہت کم ہوتا ہے تاہم اس کا بھی علم ہونا چاہئے۔

۴۔ جس راوی کی کنیت میں اختلاف ہو اور ایسے بکثرت ہیں اسے بھی پہچاننا چاہیے۔

۵۔ جس کی کنیت یا اوصاف والقاب بکثرت ہوں اسے بھی جاننا چاہئیے۔ جیسے ابن جریج کی دو کنیتیں ہیں ابو الولید اور ابو الخالد۔

۶۔ اس راوی کو بھی پہچاننا چاہئیے جس کی کنیت اس کے والد کے نام کے ساتھ موافق ہو، چنانچہ ابو اسحاق ابراہیم بن اسحاق المدنی التابعی چونکہ ابو اسحاق، اسحق کا بیٹا ہے، اس لئے اس کو ابن اسحق کے ساتھ تعبیر کرنا بھی غلط نہیں ہو سکتا۔

۷۔ تمام راویوں کی کنیتیں بھی پہچاننی چاہئیں اور القاب بھی جاننے چاہئیں، کیونکہ لقب بھی بعنوان نام ہوتا ہے جیسے سفینہ مولی رسول اللہ ﷺ اور کبھی بعنوان کنیت جیسے ابو تراب۔

۸۔ اسی طرح اس راوی کو بھی پہچاننا چاہیے جس کی کنیت اس کی زوجہ کی کنیت کے ساتھ موافق ہو جیسے ابو ایوب الانصاری اور ام ایوب دونوں مشہور صحابی ہیں۔

۹۔ اسی طرح اس راوی کو بھی پہچاننا چاہئیے جس کے شیخ کا نام اس کے والد کے نام کے ساتھ موافق ہو جیسے ربیع بن انس عن انس چونکہ روایتوں میں اسی طرح آتا ہے اس لئے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ربیع اپنے والد سے روایت کرتے ہیں جیسے صحیح بخاری میں عن عامر بن سعد عن سعد میں حقیقتاً عامر نے اپنے والد سعد سے روایت کی

۱۰۔ اس راوی کو بھی پہچاننا چاہیے جس کی نسبت اس کے والد کی جانب نہیں بلکہ غیر کی جانب کی گئی ہو جیسے مقداد بن الاسود الزہری میں مقداد کے والد کا نام اسود نہیں ہے بلکہ عمر ہے۔ مگر اسود نے چونکہ ان کو متبنی بنایا تھا اس لئے اس کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔

۱۱۔ اسی طرح اس راوی کو بھی پہچاننا چاہیے جس کی نسبت اس کی والدہ کی طرف کی گئی ہو، جیسے ابن علیہ اسمعیل بن ابراھیم بن مقسم یہ ثقہ ہیں، ان کی والدہ کا نام علیہ تھا، اس کی جانب ان کی نسبت مشہور ہے، چونکہ اسمعیل اپنی والدہ کی جانب منسوب کئے جانے کو ناپسند کرتے تھے اس لئے امام شافعی یوں فرمایا کرتے تھے "اخبرنی اسمعیل الذی یقال لہ ابن علیۃ".

۱۲۔ اس رادی کو بھی پہچاننا چاہیے کہ اس کا اور اس کے والد کا اور اس کے دادا کا ایک ہی نام ہو، جیسے حسن بن الحسن بن الحسن بن علی ابن ابی طالب بھی یہ ہم نامی کا سلسلہ اس سے بھی زائد اور لمبا ہوتا ہے، یہ بھی مسلسل اسناد کی ایک قسم ہے

۱۳۔ اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ راوی اپنے دادا کا اور راوی کا والد اپنے دادا کا ہم نام ہوتا ہے جیسے ابو الیمین الکندی کا پورا نام یہ ہے زید بن الحسن بن زید بن الحسن بن زید بن الحسن۔

۱۴۔ اس طرح اس راوی کو بھی پہچاننا چاہیے جو اپنے شیخ کا اور شیخ الشیخ کا ہمنام ہو جیسے عمران عن عمران عن عمران، اول کو قصیر کہا جاتا ہے، اور دوسرے کو ابو رجاء العطاردی، اور تیسرے کو ابن حصین الصحابی۔ اسی طرح سلیمان عن سلیمان عن سلیمان میں، اول کو ابن احمد بن ایوب الظہرانی کہا جاتا ہے، اور دوسرے کو ابن احمد الواسطی اور تیسرے کو ابن عبد الرحمن الدمشقی المعروف بابن بنت شرحبیل کہا جاتا ہے۔

۱۵۔ اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ راوی اور اس کے باپ دادا کا جو نام ہوتا ہے، وہی نام اس کے شیخ کا اور شیخ کے باپ دادا کا ہوتا ہے چنانچہ ایک راوی کا نام ہے حسن بن احمد بن الحسن بن احمد اور اس کے شیخ کا نام بھی حسن بن احمد بن الحسن بن احمد ہے، دونوں میں کنیت ونسبت اور پیشے کے اعتبار سے امتیاز کیا جاتا ہے، راوی کو ابو علاء الہمدانی العطار کہا جاتا ہے اور شیخ کو ابو علی الاصبہانی الحداد

۱۶۔اس راوی کو بھی پہچاننا چاہیئے جس کا شیخ وشاگرد دونوں ہمنام ہوں، جیسے **روی عن مسلم وروی عنہ مسلم** اس میں شیخ مسلم بن ابراہیم اور شاگرد مسلم بن حجاج ہے

۱۷۔جتنے راوی ہیں ان کے سادے ناموں کے ساتھ بلاذکر کنیت وغیرہ ہوں ان سب کا نام جاننا بھی ضروری ہے

۱۸۔اس راوی کو بھی پہچانا چاہیئے جس کا ہم نام کوئی شخص نہ ہو ۱۹۔روایوں کی کنیت اور القاب کی پہچان بھی ضروری

۲۰۔راویوں کی نسبتیں (انساب) بھی پہچاننی چاہیں۔ ۲۱۔جو لقب یا نسبت خلاف ظاہر ہو اس کا سبب بھی معلوم کرنا چاہیئے۔

۲۲۔جو راوی مولی ہو اعلی یا ادنی اس کی تحقیق بھی کی جائے کہ وہ کس وجہ سے مولی کہا جاتا ہے بوجہ غلامی کے؟ یا بوجہ امدادی معاہدے (حلیف ہونے) کے؟ یا کسی کے ہاتھ پر ایمان قبول کرنے کی وجہ سے؟ اس لئے کہ ان تینوں وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے مولی کہا جاتا ہے

سوال نمبر18۔کسی راوی کے شیخ اور شاگرد ہم نام ہوں تو تو اس کی معرفت کا کیا فائدہ ہے؟ مثالوں سے واضح کریں۔

اس کے جاننے سے تکرار یا انقلاب (ناموں کے ادل بدل ہونے) کا جو وہم ہو سکتا ہے وہ رفع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بخاری کے شیخ کا نام بھی مسلم ہے اور ان کے شاگرد کا نام بھی مسلم ہے، مگر شیخ مسلم بن ابراہیم الفراہیدی البصری ہیں، اور شاگرد مسلم بن الحجاج القشیری صاحب مسلم ہیں۔ اسی طرح عبد بن حمید ہیں کہ ان کے شیخ کا نام بھی مسلم ہے اور ان کے شاگرد کا نام بھی مسلم ہے، مگر شیخ مسلم بن ابراہیم ہیں اور شاگرد مسلم بن الحجاج صاحب صحیح ہیں۔ چنانچہ مسلم نے بیچ میں ایک حدیث بعنوان "حدثنا عبد بن حمید عن مسلم" روایت بھی کی ہے۔ اسی طرح عیسی بن ابی کثیر ہیں کہ ان کے شیخ کا نام بھی ہشام ہے اور شاگرد کا نام بھی ہشام ہے، مگر شیخ ان کے معاصر ہشام بن عروہ میں اور شاگرد ہشام بن ابی عبد اللہ الدستوائی ہیں۔ اسی طرح ابن جریج ہیں کہ ان کے شیخ کا نام بھی ہشام ہے اور ان کے شاگرد کا نام بھی ہشام ہے مگر استاد ہشام بن عروہ میں اور شاگرد ہشام بن یوسف بن الصنعانی۔ اسی طرح حکم بن عقبہ میں کہ ان کے شیخ کا نام بھی ابن ابی لیلی ہے اور شاگرد کا نام بھی ابن ابی لیلی ہے مگر شیخ کا نام عبد الرحمن ہے اور شاگرد کا نام محمد بن عبد الرحمن ہے، اس کی بکثرت مثالیں ہیں۔

سوال نمبر۔کن کن آئمہ حدیث نے اسمائے مجردہ پر تصانیف لکھی ہیں؟

۱۔چنانچہ ابن سعد نے طبقات میں اور ابن ابی خشیمہ اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابن ابی حاتم نے کتاب الجرح والتعدیل میں بلا قید جمع روات کے اسماء کو جمع کیا ہے۔

۲۔اور ابن حبان اور ابن شاہین نے صرف ثقات کے ناموں کو جمع کیا ہے۔ ۳۔ابن عدی اور ابن حبان نے صرف مجروحین کے ناموں کو بھی علیحدہ قلمبند کیا ہے۔

۴۔اور ابو نصر کلاباذی نے صرف بخاری کے رجال کو اور ابو بکر بن منجویہ نے صرف مسلم کے روات کو اور ابو الفضل ابن طاہر نے ان دونوں کے روات کو اور ابو علی الجیانی نے صرف ابو داؤد کے رجال کو جمع کیا ہے، اور چند مغاربہ (مغاربہ یعنی اہل مغرب شمالی افریقہ) نے نسائی اور ترمذی کے رجال کو اور عبد الغنی مقدسی نے صحاح ستہ کے رجال کو اپنی کتاب مسمی بہ الکمال میں درج کیا ہے

۵۔پھر مزی نے اپنی کتاب تہذیب الکمال میں الکمال کی تنقیح کی ہے، پھر میں نے اس میں بہت سے امور کا اضافہ کر کے مجموعہ کا نام تہذیب التہذیب رکھا ہے، یہ اصل سے بقدر ایک ثلث زائد ہے۔

سوال نمبر۔ کن کن آئمہ حدیث نے اسمائے مجردہ پر تصانیف لکھی ہیں؟

حافظ ابو بکر احمد بن ہارون بردیجی نے اس کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے، اس میں اس قسم کے بہت سے اسماء مذکور ہیں جن میں سے بعض کا تعاقب (یعنی ان کی غلطیاں نکالی گئی ہیں) بھی کیا گیا ہے، چنانچہ صغدی بن سنان جو ضعیف ہے گو اس کے متعلق حافظ ابو بکر نے لکھا ہے کہ اس نام کا دوسرا کوئی شخص نہیں ہے مگر یہ غلط ہے اس لئے کہ ابن ابی حاتم نے کتاب جرح وتعدیل میں لکھا ہے کہ صغدی کی ابن معین نے توثیق کی ہے اور صغدی بن سنان کو جو پہلے بیان کیا گیا ہے ضعیف لکھا ہے۔ بناء براس کے ثابت ہوا کہ صغدی ایک ہی شخص کا نہیں بلکہ دو شخص کا نام ہے عقیلی نے تاریخ میں لکھا ہے کہ صغدی بن عبد اللہ جو قتادہ سے روایت کرتے ہیں ان کی حدیث غیر محفوظ ہے"۔ میرے خیال میں یہ صغدی وہی ہیں جن کی ابن معین نے توثیق کی ہے، باقی عقیلی نے ان کو ضعفاء کی فہرست میں جو ذکر کیا ہے اس کا سبب ان کی حدیث تھی عقیلی نے جو حدیث ان سے روایت کی ہے وہ چونکہ ضعیف تھی اس لئے ضعفاء کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا اور حدیث میں جو ضعیف ہے وہ صغدی کی جانب سے نہیں بلکہ ان کے شاگرد عنبسہ بن عبد الرحمن کی جانب سے ہے، واللہ اعلم۔

اسی طرح سندر مولی زنباع الجذامی جو صاحب الروایہ صحابی ہیں ان کی مشہور کنیت ابو عبد اللہ ہے، میری دانست میں اس نام کا کوئی دوسرا شخص نہیں ہے، مگر ابو موسی نے ابن مندہ کی معرفۃ الصحابہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ سندر کی کنیت ابو الاسود ہے اور اس کی ایک حدیث بھی نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سندر اور شخص کا نام بھی ہے لیکن اس کا تعاقب کیا گیا ہے (یعنی غلطی نکالی گئی ہے) کہ یہ سندر جن کو ابو موسی اور ابن مَندہ نے جن کو ذکر کیا ہے وہ زنباع الجذامی کے مولی ہیں، الحاصل دونوں ایک ہی ہیں الگ نہیں،

سوال نمبر۔ راویوں کے کنیتیں اور القاب جاننے کیوں ضروری ہیں؟

تمام راویوں کی کنیتیں بھی پہچاننی چاہئیں اور القاب بھی جاننے چاہئیں، کیونکہ لقب بھی بعنوان نام ہوتا ہے جیسے سفینہ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کبھی بعنوان کنیت جیسے ابو تراب، اور کبھی کسی عیب سے ماخوذ ہوتا ہے جیسے اعمش، اور کبھی کسی پیشہ سے متعلق ہوتا ہے جیسے عطار

سوال نمبر۔ راویوں کی نسبت کی پہچان کیوں ضروری ہے

پہچان اس لیے ضروری ہے کیونکہ نسبت کبھی قبیلہ کی جانب ہوتی ہے، یہ متاخرین کی بہ نسبت متقدمین میں زیادہ تر ہوا کرتی ہے، پھر نسبت کبھی شہر کی جانب اور کبھی کھیتی کی طرف اور کبھی کوچہ کی طرف اور کبھی محل مجاورت کی طرف ہوتی ہے، اور کبھی نسبت ہنر کی طرف ہوتی ہے جیسے خیاط، اور کبھی پیشہ کی طرف (جیسے بزاز) بھی ہوا کرتی ہے۔ پھر ان نسبتوں میں اسماء کی طرح کبھی اتفاق واشتباہ بھی پیدا ہوتا ہے، اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ نسبت لقب ہو جاتی ہے، چنانچہ خالد بن مخلد القطوانی کا لقب قطوانی ہو گیا تھا جس سے وہ ناراض بھی ہوتے تھے۔

سوال نمبر۔ نخبۃ الفکر کی روشنی میں آداب شیخ پر نوٹ لکھیں۔

شیخ اور راوی کو کون سے کون سے آداب کی پابندی کرنی چاہیے؟ چند آداب درج ذیل ہیں:

ا۔ شیخ اور راوی دونوں کی نیت خالص ہو اور دنیاوی اسباب مد نظر نہ ہوں

۲-دونوں خوش اخلاق ہوں۔ شیخ کے لئے مناسب ہے کہ صرف بوقت حاجت حدیث روایت کرے۔

۳۔ جس شہر میں اس سے بڑھ کے محدث ہو وہاں حدیث روایت نہ کرے، بلکہ روایت کے متلاشیوں کو اس کے پاس جانے کی ہدایت کرے

۴-راوی کی نیت کو فاسد ہونے کی وجہ سے اسے سماع حدیث سے روکا نہ جائے۔

۵-طہارت اور وقار کے ساتھ حدیث روایت کی جائے۔

۶۔ کھڑے کھڑے یا عجلت کی حالت میں اسی طرح راہ گذر میں حدیث روایت نہ چھوڑ دے۔

۷-مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے اگر نسیان یا اختلاط کا اندیشہ ہو تو حدیث روایت نہ کرے۔

۸۔جب ایک جم غفیر میں حدیث املا کرنے کا اتفاق ہو تو بیدار مغز مبلغ یعنی حدیث کو دوبارہ با آواز بلند آخری صفوں تک سنانے والا مقرر کیا جائے۔

۹-شاگرد کے لئے ضروری ہے کہ شیخ کی تعظیم کرے، اس کو زیادہ پریشان نہ کرے۔

۱۰۔جو سنا ہوا سے غیر کو سنادے، اور اس کو بالاستیعاب لکھ لے۔

۱۱-حیا یا نخوت کی وجہ سے حدیث کا استفادہ نہ چھوڑے۔

۱۲۔ لکھی ہوئی روایتوں کی حرکات وسکنات کو بذریعہ حروف قلمبند کرلے۔

سوال نمبر۔حدیث اخذ کرنے اور روایت کرنے کی کتنی عمر ہونی چاہیے؟

۱۔ مجلس حدیث میں حاضر ہونے کے لئے عمر کی قید نہیں ہے، محدثین کی عادت تھی کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی مجلس حدیث میں حاضر کرتے اور لکھ دیتے تھے کہ یہ مجلس حدیث میں حاضر ہوئے تھے، مگر اس حاضری کی صورت میں صاحب مجلس سے روایت کرنے کے لئے صاحب مجلس کی اجازت ضروری ہے۔

۲۔ سماع حدیث کے لئے اصح قول کے مطابق تمیز درکار ہے طلب حدیث کے لئے بھی عمر کی قید نہیں البتہ لیاقت و قابلیت شرط ہے، اگر کسی نے بحالت کفر حدیث اخذ کی اور اسلام لانے کے بعد اسے ادا کیا تو یہ جائز ہے، اسی طرح فاسق نے اگر قبل از توبہ حدیث حاصل کی اور بعد از توبہ وثبوت عدالت اسے پہنچادیا (روایت کیا) تو جائز ہے۔

۳۔ حدیث پہنچانے (روایت کرنے) کے لئے بھی کسی زمانے کی خصوصیت نہیں بلکہ یہ قابلیت وحاجت پر موقوف ہے اور قابلیت ہر ایک شخص میں جداگانہ ہوتی ہے، ابن خلاد نے لکھا ہے کہ پچاس سال کی عمر میں قابلیت حاصل ہوتی ہے، تاہم اگر چالیس سال کی عمر میں (حدیث روایت کرکے لوگوں کو) پہنچادی گئی تو جائز ہے، مگر اس نظریہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ امام مالک نے تو چالیس سال کی عمر سے پہلے ہی حدیث کو بیان کرنا شروع کر دیا تھا۔

سوال نمبر۔کیا کتابت میں اعراب وحرکات کو ضبط میں لایا جائے گا؟ ابن حجر نے اس کے کتنے طریقے بیان کیے ہیں؟ واضح کریں۔

کتابت حدیث میں حرکات وسکنات ضبط کرنے کا جو طریق ہے اس کو بھی مد نظر رکھا جائے گا۔ اور اس کی بہت اہمیت ہے۔

۱۔ کتابت کا یہ طریق ہے کہ خط واضح اور جلی ہو اور مشکل (عبارات) کو اعراب ونقطے دیئے جائیں، اگر سطر کے تمام ہونے سے قبل کوئی لفظ چھوٹ جائے تو داہنی طرف کے حاشیہ پر ورنہ بائیں طرف کے حاشیہ پر لکھا جائے۔

۲۔ اسی طرح لکھی ہوئی حدیث کو مقابلہ کرنے کا دستور بھی پہچانا جائے، مقابلہ یا تو شیخ یا جس سے حدیث سنی ہے یا کسی ثقہ (راوی) سے کیا جائے، یا خود ہی تھوڑا تھوڑا کرکے مقابلہ کرلے۔

۳۔ اسی طرح سماع حدیث کا دستور وطریقہ بھی معلوم کیا جائے، بوقت سماع کتابت وکلام سے اور نیند وغیرہ جیسے امور سے جو سماع میں مخل ہوں اجتناب کیا جائے۔

۴۔ شیخ کو اس نسخے سے شاگرد کو سنانا چاہئیے جس میں اس نے اپنے شیخ سے سنا ہو یا ایسی نقل سے، جس کا اصل کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہو، اور اگر مقابلہ شدہ نقل غیر ممکن ہو تو غیر مقابلہ شدہ ہی کو سنادے مگر اس سے روایت کرنے کے لئے اجازت ہونی چاہئیے تاکہ عدم مقابلہ کی اس سے ملاقات ہو جائے۔

۵۔ اسی طرح طلب حدیث کے لئے سفر کا جو طریق ہے وہ بھی معلوم کیا جائے، سب سے پہلے اپنے شہر میں جو محدثین ہوں بالاستیعاب ان سے حدیثیں سنی جائیں پھر سفر کر کے جو حدیثیں اس کے پاس نہ ہوں دیگر محدثین سے حاصل کی جائیں اور زیادہ شیخ بنانے کی بہ نسبت زیادہ روات کا خیال رکھا جائے۔

سوال نمبر۔ کیا تصنیف احادیث کے طریقوں کو معلوم کیا جائے گا؟ اس کے کتنے طریقے ہیں؟ وضاحت کریں۔

تصنیف احادیث کا دستور بھی معلوم کیا جائے تصنیف کے متعدد طرق ہیں۔

۱۔ بطریق مسانید یعنی صحابہ کے نام ترتیب وار لکھ کے ہر ایک نام کے بعد اس کی مسند حدیثیں درج کی جائیں، پھر صحابہ (کے ناموں) میں ترتیب یا بلحاظ اسلام ہو کہ جس کا اسلام مقدم ہو اس کا نام مقدم کیا جائے یا بلحاظ حروف حجی یا بلحاظ استفادہ، اول طریق کی بہ نسبت اس میں زیادہ سہولت نے ہے۔

۲۔ بطریق ابواب فقہیہ یعنی ہر ایک باب کو کسی عنوان سے معنون کر کے اس کے تحت میں وہ حدیثیں نقل کی جائیں جن کو حکم باب سے اثباتا یا نہیا تعلق ہو بہتر تو یہی ہے کہ صرف حدیث صحیح یا حسن پر اکتفا کیا جائے اور اگر ان کے ساتھ حدیث ضعیف بھی بیان کی گئی ہے تو ساتھ ساتھ علت ضعف بھی بیان کی جائے۔

۳۔ بطریق علل یعنی ہر ایک متن کے ساتھ ساتھ اس کی تمام اسانید بیان کی جائیں، پھر روات میں بلحاظ رفع، ارسال، ووقف وغیرہ جو اختلاف ہو اس کا ذکر کیا جائے اس صورت میں بھی بہتر یہ ہے کہ متن میں ترتیب بلحاظ ابواب ہو تاکہ استفادہ آسانی سے ہو سکے۔

سوال نمبر۔ کیا اسباب ورود حدیث کی معرفت کی جائے گی؟ اس میں کن محدثین نے کتابیں لکھی ہیں؟

ہر ایک حدیث کا سبب بھی بیان کیا جائے، اس باب میں ابو حفص العکبری، قاضی ابو یعلی بن فرا جنبلی کے شیخ نے ایک کتاب لکھی ہے، شیخ تقی الدین بن دقیق العید نے لکھا ہے کہ ہمارے بعض معاصرین نے بھی اس کے متعلق ایک کتاب لکھنی شروع کی ہے، شاید اس وجہ سے کہ اس نے عکبری کی تصنیف کو نہ دیکھا ہو گا۔ اکثر اقسام حدیث کے متعلق ائمہ فن نے کتابیں لکھی ہیں، چنانچہ اکثر کتابوں کی جانب ہم اشارہ کرتے آئے ہیں، باقی جو اقسام کے خاتمہ میں بیان کئے گئے صرف ان کا نام ہی ہم نے نقل کر دیا ہے، باقی ان کی توضیح اگر مطلوب ہو تو مبسوط کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔